



...اور حق قبول ہو گئی



اکتوبر 2014



ریاست علی خان



WWW.PAKSOCIETY.COM



سخی بادشاہ

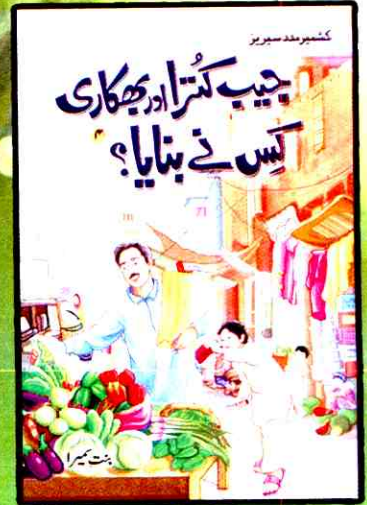
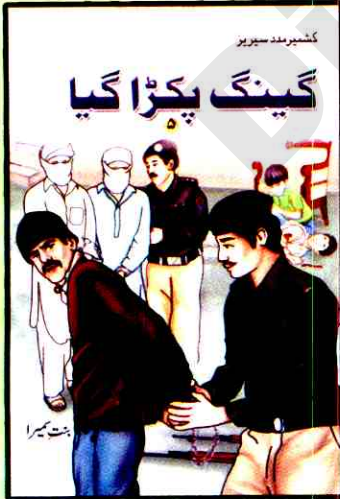
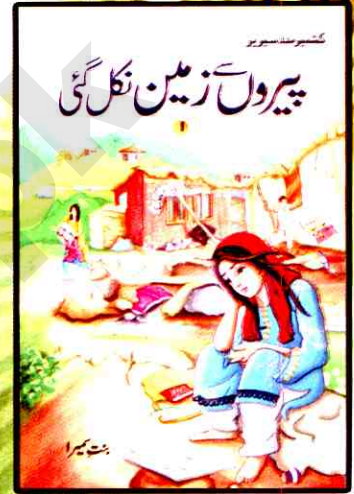
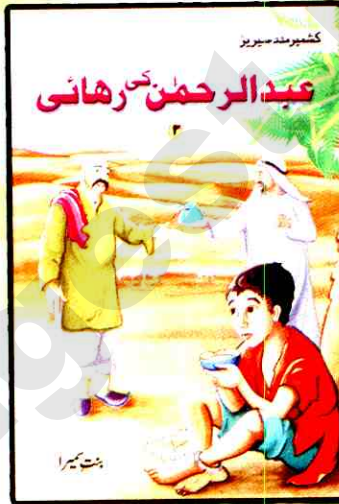
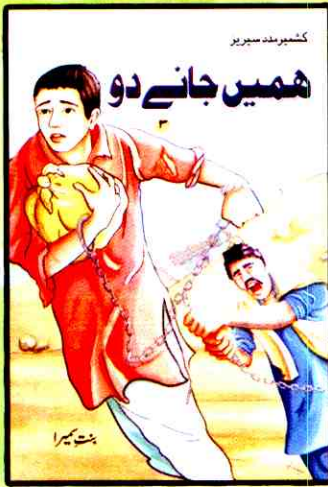


اشفاق احمد



کشمیر مدد سیریز

فیروز سنز کی یوتھ کلب سیریز کے ممبران کے
نئے اور دلچسپ کارنامے



فیروز سنز ریسروئٹ، لمیٹڈ
لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی

ہدایات برائے آرڈرز پنجاب: 60۔ شاہراہ قائد اعظم، لاہور۔ 042-111-626262

سندھ اور بلوچستان: پہلی منزل، مہران ہائٹس، مین کلفٹن روڈ، کراچی۔ 021-35867239-35830467

خیبر پختونخوا، اسلام آباد، آزاد کشمیر اور قبائلی علاقے: 277۔ شاہراہ راولپنڈی، پشاور۔ 051-5124970-5124879

تعلیم و تربیت

پاکستان میں سب سے زیادہ پڑھا جانے والا

چنگیز کا صحیح درجہ



اس شمارے میں

اکتوبر 2014ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

ایک آدمی نے نہایت شوق سے گھر کے پاس ایک خوب صورت سا باغ لگا رکھا تھا جس کی روزانہ وہ خود دیکھ بھال کرتا تھا۔ ایک دن وہ کسی کام سے باہر گیا ہوا تھا کہ اس کا چھوٹا بیٹا ہاتھ میں کپھاڑی لے کر باغ کی سیر کو نکلا اور اس نے کپھاڑی کو آزماتے ہوئے ایک سب سے اچھا درخت کاٹ دیا۔

جب شام کو باپ نے آکر باغ کو دیکھا تو اس درخت کو کٹا ہوا پا کر اسے بہت غصہ آیا اور وہ ہر ایک سے پوچھنے لگا کہ یہ درخت کس نے کاٹا ہے؟

اسی اثناء میں بیٹا بھی آ گیا۔ باپ نے اس سے پوچھا تو اس نے صاف گوئی سے کام لیا اور کہہ دیا۔ ”آپ ناراض تو ہوں گے مگر میں جھوٹ نہ بولوں گا۔ یہ درخت میں نے ہی کاٹا ہے۔“

باغ کا شوقین باپ پہلے تو اتنا غصہ ہو رہا تھا لیکن بیٹے کے سچ بولنے پر اس نے نہایت خوشی سے بیٹے کو گود میں اٹھا لیا اور کہا۔ ”بیٹا مجھے تمہاری سچائی سے اتنی خوشی ہوئی کہ درخت کٹ جانے کا غم اس کے سامنے کوئی چیز نہیں۔ شاباش! زندگی میں اسی طرح سچ بولا کرنا۔“

باپ کے اس طرح معاف کر کے شاباش دینے کا بیٹے کے دل پر اتنا اچھا اثر ہوا کہ اس نے زندگی بھر کبھی جھوٹ نہ بولا۔ دیکھتے دیکھتے اس کی سچائی کے سارے علاقے میں مشہور ہو گئی۔

اس لڑکے کا نام جارج واشنگٹن تھا جس نے امریکا کو آزاد کرایا اور وہی اس بہت بڑے ملک کا سب سے پہلا صدر چنا گیا۔ امریکا کے صدر مقام کا نام بھی اسی کے نام پر رکھا گیا ہے۔

پیارے بچو! سچ بولنا بہت اچھی عادت ہے۔ جھوٹ بول کر ہم اپنے گناہوں میں اضافہ کرتے ہیں۔ اگر سچ بولے تو ہم اپنی عادت بنائیں تو ہمیں بہت سی برائیوں سے نجات مل جائے گی۔

اس شمارے میں ناول ”دولت پور میں“ کی آخری قسط چھپ رہی ہے۔ آپ تمام ساتھیوں نے اس کی قسط دار اشاعت کو بہت سراہا اور ہمیں تعریفی خطوط بھیجے جس کے ہم بہت شکر گزار ہیں۔ اس کے بعد ہم انشاء اللہ اس سے زیادہ دل چسپ ناول یا سلسلہ آپ کی خدمت میں پیش کریں گے۔ امید ہے کہ تمام دوستوں کو بہت زیادہ پسند آئے گا۔

اچھا اب اجازت دیں، باقی آئندہ..... فی امان اللہ! (ایڈیٹر)

سرکولیشن اسسٹنٹ

اسسٹنٹ ایڈیٹر

ایڈیٹر، پبلشر

محمد بشیر رائی

عابدہ اصغر

ظہیر سلام

1	اداریہ
2	مہمانیت
3	درس قرآن و حدیث
4	گلی بادشاہ
7	منظور آفاقی
10	ذہین قادری
11	راشد علی توپ شاہی
13	بیادے اللہ کے
15	ماں کی آنکھ
16	نئی کریم کی شفقت / کوپن
17	تھیل من منت کا
18	آپسے سنا رہے
19	بازو تو تارکین
23	بوجہ تو جائیں
25	افرت کا گیت
26	شہید ملت لیاقت علی خان
28	میری زندگی کے مقاصد
29	نئے قارئین
31	غریب اہل کہانی
32	بچوں کا انسائیکلو پیڈیا
33	میری بیاض سے
35	تھوڑے لگا جئے
36	آج کی سیرا سچی
37	اوپر خاکی
39	ماں، باپ (نظر)
40	باشم خان، اسکاٹس کا بونکر
43	معلومات عامہ
45	نوٹس بلیک وائٹ
49	اشفاق احمد (سٹرک نوک)
51	آپ بھی لکھیے
57	ایڈیٹر کی ڈاک
61	دولت پور میں
64	ڈاکٹر کا راز
	عاشق تو تھی
	مولابخش
	بازو تو تارکین

اور بہت سے دل چسپ تراشے اور سلسلے

خط و کتابت کا پتا

ماہنامہ تعلیم و تربیت 32۔ انپیرس روڈ، لاہور۔
UAN: 042-111 62 62 Fax: 042-36278816
E-mail: tot.tarbiatts@gmail.com
tot tarbiatts@live.com

پرنٹر: ظہیر سلام

مطبوعہ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور۔
سرکولیشن اور اکاؤنٹس: 60 شاہراہ قائد اعظم، لاہور۔

سالانہ خریدار بننے کے لیے سال بھر کے شماروں کی قیمت پیشگی بینک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں سرکولیشن منیجر: ماہنامہ ”تعلیم و تربیت“ 32۔ انپیرس روڈ، لاہور کے پتے پر ارسال فرمائیں۔
فون: 36278816 فیکس: 36361309-36361310

ایشیاء، افریقا، یورپ (ہوائی ڈاک سے) = 2400 روپے۔
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا، مشرقی ایشیاء (ہوائی ڈاک سے) = 2800 روپے۔

پاکستان میں (بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک) = 850 روپے۔
مشرق وسطی (ہوائی ڈاک سے) = 2400 روپے۔

قیمت فی پرچہ: 30 روپے

نعت رسول مقبولؐ

کیا کیا ہیں مجھ غریب پہ احسان یا نبیؐ
سو جان سے میں آپؐ پر قربان یا نبیؐ
دنیا میں پیش آئیں مجھے جتنی بھی مشکلیں
سب آپؐ کے طفیل ہوئیں آسان یا نبیؐ
کتنا ہوں خوش نصیب کہ نسبت ہے آپؐ سے
مجھ کو ملی ہے آپؐ سے پہچان یا نبیؐ
امت کو جو عطا ہوئے انعام بے شمار
ان سب میں ہے عظیم تر قرآن یا نبیؐ
مانا میری خطاؤں کو کوئی انتہا نہیں
بخشش کا میری آپؐ ہیں سامان یا نبیؐ
اے کاش ہو عطا مجھے بھی بطحا کی حاضری!
اے کاش آپؐ کا بنوں مہمان یا نبیؐ
ہے زندگی کی آخری خواہش یہی ضیاء
پڑھتا رہوں درود میں ہر آن یا نبیؐ

(نبیاء فراہوی)

حمد باری تعالیٰ

ایک اللہ واحد اللہ ہے مثل اور لاجواب
اس کا نہیں ثانی نہیں کوئی اس کے ہی جلوے بے حساب
آسمانوں کی ہر اک شے اور زمین جو کچھ بھی ہے
اس کی تسبیح میں لگے ہیں جو مقصود کائنات
مرتبہ پاتے اسی سے انبیاء اور اولیاء
ورنہ مروی اور قلندری کا ہے غروب آفتاب
دہر کے ظلمت کدے کو اس نے یہ بخشا ہے نور
شمس و قمر ہوں یا ستاروں کی تجلی بے حساب
اڈل بھی وہ آخر بھی وہ ظاہر بھی وہ باطن بھی وہ
قرب اپنا بندوں کو بخشے جو کریں حق کا انتخاب
انبیاء کو ناز اس پہ ناز وہ ان پر کرے
انبیاء فخرِ زماں ہیں اور خدا عالی جناب
ہے دُعا میری کہ اس کی راہ سے نہ دُور ہوں
وہ راہ کہ تمکیل تجلی محمد مصطفیٰؐ عزت مآب

(نسیم احمد نسیم)



ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کا خوب ذکر کرنا چاہیے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”ذی الحجہ کے دس دنوں میں نیک اعمال کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں باقی تمام دنوں میں عبادت کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ تم ان دنوں میں سُبْحَانَ اللَّهِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، اللَّهُ أَكْبَرُ کی کثرت کرو۔“ (طبرانی کبیر، باب العین، حدیث نمبر 11116)

ان دس دنوں میں یوم عرفہ (9 ذی الحجہ) بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو جہنم سے آزادی کا پروانہ جاری کرتے ہیں اور اس دن کے روزے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اس کی وجہ سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔“

(مسلم، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثہ ایام: 1162)

پھر دس ذی الحجہ عید کا دن ہے جس میں قربانی کی جاتی ہے جو اس دن کیے جانے والے اعمال میں سے اللہ کے ہاں سب سے محبوب عمل ہے۔

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”(ذی الحجہ کے پہلے دس دنوں میں ثواب و اجر کے لحاظ سے) نیک عمل 700 گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔“

(شعب الایمان، الصیام، حدیث نمبر: 3481)

پیارے بچو! ذی الحجہ کے یہ دس دن ہمارے لیے ایک خاص تحفہ ہیں جس میں نیک اعمال کر کے ڈھیروں ثواب کمایا جاسکتا ہے..... تو پھر تیار ہو جائیے اور اس موقع کو ضائع مت کیجئے اور خوب نیکیاں کیجئے۔

”ذی الحجہ“ اسلامی سال کا آخری مہینہ ہے۔ اس مہینہ کے پہلے دس دن بہت مبارک اور قیمتی ہیں۔ اللہ رب العزت نے ان دس دنوں کو سال کے دیگر ایام پر فضیلت و فوقیت عطا فرمائی ہے کیوں کہ نماز، روزہ، صدقہ، اللہ کا ذکر، قربانی اور حج جیسی عظیم عبادتیں اس میں اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ قرآن و سنت سے ان ایام کی عظمت و شان ثابت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی۔“ (الفجر: 1-2)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے ذوالحجہ کے پہلے دس دن مراد ہیں۔ (تفسیر البغوی 247/5)

اللہ تعالیٰ کا ان راتوں کی قسم کھانا ان کی عظمت و شان پر دلالت کرتا ہے۔ ان دس دنوں میں کیا جانے والا اچھا کام اللہ تعالیٰ کو سال کے باقی دنوں میں کیے جانے والے نیک اعمال سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”ذی الحجہ کے دس دنوں میں عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں باقی تمام دنوں میں عبادت کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ ذی الحجہ میں ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور اس کی ہر رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔“

(ترمذی، ابواب الصوم، باب ما جاء فی العمل فی ایام العشر: 758)

یہ دس دن خاص طور پر اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”اور معلوم دنوں میں اللہ تعالیٰ کا نام یاد کریں۔“ (الحج: 28)

”معلوم دن سے مراد“ ذی الحجہ کے دس دن ہیں۔ اس لیے



کرنے کے لیے دوسرے ملکوں کے بادشاہوں کے آگے اپنا دامن پھیلائیں گے۔ بادشاہ وزیر کی بات سن کر پہلے تو مسکرایا، پھر اس نے جواب دیا کہ دانہ اس وقت تک نہیں اُگتا جب تک اسے زمین میں نہ بکھیرا جائے۔ جو شخص سخاوت کا بیج بوتا ہے، وہی بخشش اور بزرگی کی فصل کاٹتا ہے۔ وزیر بادشاہ کی بات سن کر طنزیہ لہجہ میں کہنے لگا: ”بادشاہ سلامت وقت اور حالات بدلتے دیر نہیں نکلتی۔“ بادشاہ نے جواب دیا: ”کل کیا ہوگا یہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات بہتر جانتی ہے۔“ بادشاہ نے وزیر کی نیت کو بھانپ لیا تھا۔

کچھ دن گزر جانے کے بعد بادشاہ نے وزیر کو آزمانے کے لیے کہا: ”میں نے تمہاری باتوں پر بہت غور فکر کیا ہے۔ واقعی تم ٹھیک کہتے ہو۔ حقیقت میں خزانہ خالی ہو چکا ہے۔ آج اعلان کیا جائے کہ بادشاہ کے پاس ملک چلانے کے لیے کسی قسم کی کوئی رقم خزانہ میں نہیں ہے۔ جو شخص خود کو اس قابل سمجھتا ہے کہ وہ ملک کو بغیر خزانے کے احسن طریقے سے چلا سکتا ہے، اس کی قابلیت کو تسلیم کرنے کے بعد بادشاہ سلامت ملک کی تمام ذمہ داریاں اس عاقل شخص کے حوالے کر کے خود اپنے عہدے سے دست بردار ہو جائیں گے۔ بادشاہ کے اس فیصلے پر وزیر بہت خوش ہوا۔ اگلے دن ملک بھر میں اعلان کر دیا گیا۔ شہر شہر، گاؤں گاؤں بلکہ بستی بستی یہ پیغام پہنچ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کسی ملک میں ایک بزرگ بادشاہ کی حکومت تھی۔ بادشاہ دانا، ہمدرد اور عوام دوست تھا۔ پورے ملک میں بادشاہ کی سخاوت کا کوئی ثانی نہ تھا۔ وہ اپنی رعایا کی ہر مصیبت خوشی غمی کو اپنا سمجھتا تھا۔ ہر عام آدمی کو بادشاہ تک رسائی حاصل تھی۔ بادشاہ کے عدل و انصاف اور سخاوت کے چرچے دور ملکوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ لہذا عوام بھی بادشاہ سے بہت خوش تھے جس کی وجہ سے ملک میں خوش حالی تھی۔ بادشاہ حقوق العباد کے ساتھ ساتھ حقوق اللہ پر بھی اپنی توجہ مرکوز رکھتا۔ بادشاہ نمازی پر بیہ زگار اور متقی تھا۔ وہ اپنی ملکی ذمہ داریوں سے فراغت پاتے ہی عبادت میں مشغول ہو جاتا۔ وہ دور دراز علاقوں میں نکل جاتا اور نوافل و تسبیحات وغیرہ میں مشغول ہو جاتا۔ وہیں قیام کرتا اور اجنبی لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتا، سب کو دین اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر چلنے کی تلقین کرتا اور اس کے بعد بوڑھوں، بیواؤں، یتیموں اور لاچاروں کے وظیفہ مقرر کرتا۔

ایک دن بادشاہ کے وزیر نے (اس کی سخاوت کو بڑھتا ہوا دیکھ کر) بادشاہ سے کہا کہ بادشاہ سلامت! اگر آپ اسی طرح دونوں باتوں سے خزانہ لوٹاتے رہے تو وہ دن دور نہیں جب ان عام لوگوں کی طرح آپ بھی اپنی چھوٹی چھوٹی ضرورتیں پوری

آدمی پر کوئی جرم ثابت کرنے کے بعد اس سے وہ چیز چھین لیتے۔ یوں وہ شخص اپنی سواری اور جمع پونجی سے محروم ہو جاتا۔ اگر وہ شخص شکایت لے کر بادشاہ کے پاس جاتا تو اسے وہاں سے بھی سوائے ذلت کے کچھ حاصل نہ ہوتا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بادشاہ نے اپنے محل کے مرکزی دروازے سے زنجیر عدل بھی اُتار دی۔ لوگوں کا بادشاہ تک پہنچنے کا عام اور فوری ذریعہ بھی ختم ہو گیا۔ یوں بادشاہ اور عوام کے درمیان دُوریاں بڑھتی چلی گئیں۔ آخر کار لوگوں نے بادشاہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر ملک چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ملک میں بسنے والوں کی تعداد میں کمی ہو چکی تھی۔ یوں آباد زمینیں بخر ہو گئیں۔ باغات خشک ہو گئے۔ ملک میں اناج کا بحران تیزی سے پھیلنے لگا۔ ملک سے حاصل ہونے والی آمدنی تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ بادشاہ کو ملک کا نظام چلانے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اس طرح بادشاہ اپنے بنے ہوئے جال میں بُری طرح پھنس چکا تھا۔

اب بادشاہ کے چند وزیر باقی بچے تھے مگر ایک ایک کر کے وہ بھی بادشاہ کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔ بادشاہ زیادہ دنوں تک بھوک برداشت نہ کر سکا تو اس نے ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا۔ بادشاہ نے جب محل سے باہر نکل کر آسمان کی طرف دیکھا تو اسے آسمان خالی خالی نظر آیا۔ دُور دُور تک پرندوں کا نام و نشان تک نہ تھا۔ شہر ویرانیوں کا منظر پیش کر رہا تھا۔ بادشاہ پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے کئی میل پیدل چلا مگر اسے کھانے کے لیے کچھ نہ ملا۔ تھک ہار کر بادشاہ آسمان کی طرف منہ اٹھا کر عرض کرنے لگا: ”اے میرے مالک و رازق! میں بہت گنہگار ہوں، میں آخرت کو بھول کر دُنیا کے عیش و عشرت میں غرق ہو گیا اور اپنے نفس کی خواہش کی خاطر میں نے تجھے اور تیری مخلوق کو ناراض کیا۔ اے میرے مالک! ایک شرم سار مجرم کو اپنی رحمت کے وسیع دامن میں پناہ دے دے۔ میں تیری طرف لوٹ رہا ہوں تو اپنی پاک و بلند بارگاہ میں ایک فریادی کی پکار سن لے۔ میں ہر طرف سے مایوس ہو چکا ہوں، اب تجھ سے رجوع کر رہا ہوں۔ تو میری پچھلی خطائیں معاف فرما دے۔

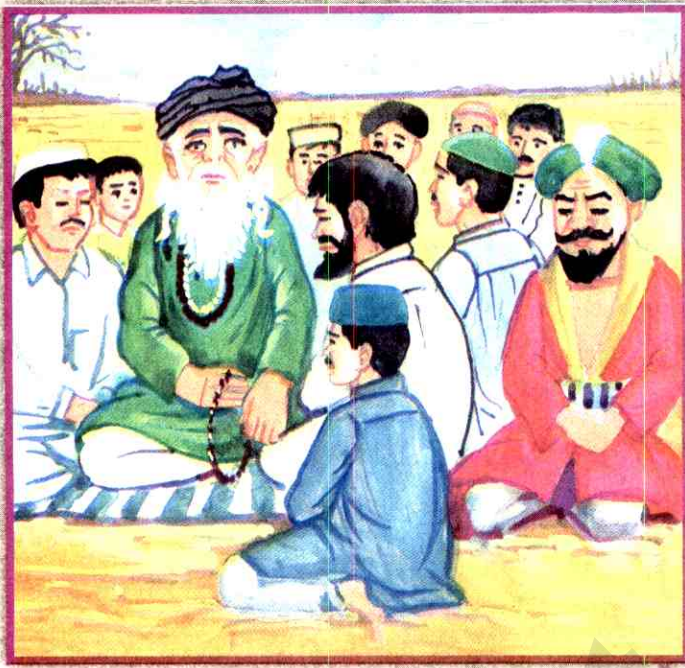
جیسے ہی بادشاہ نے دعا مکمل کی اسے دُور ایک قافلہ نظر آیا۔ بادشاہ نے قافلے کو دیکھ کر سیکھ کا سانس لیا کیوں کہ وہ کئی دن سے بھوک و پیاس کی شدت برداشت کر رہا تھا۔ بادشاہ نے قافلے کے

چکا تھا۔ ہر شخص اس سوچ میں گم تھا کہ آخر بادشاہ کو یہ فیصلہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس مسئلے کا کوئی اور بھی تو حل ہو سکتا ہے۔

وقت گزرتا گیا مگر ابھی تک کسی شخص نے بادشاہ بننے کی ذمہ داری قبول نہ کی۔ پھر ایک دن بادشاہ نے خود ہی اپنے وزیر سے کہہ دیا کہ میں کچھ دیر کے لیے اپنے خاندان کے ساتھ بیرون ملک جا رہا ہوں، لہذا میرے چلے جانے کے بعد اس ملک کے بادشاہ تم ہو گے۔ میں جاتے وقت تمہیں ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔ یاد رہے کہ بادشاہ کی اصل طاقت عوام ہوتی ہے۔ اگر بادشاہ اس بات کو سمجھے تو وہ عوام کے دلوں پر راج کر سکتا ہے۔ وزیر بادشاہ کی بات سن کر بہت خوش ہوا کیوں کہ وہ برسوں سے اس ملک کا بادشاہ بننے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ اصل بادشاہ کے چلے جانے کے بعد اب وزیر ہی سفید و سیاہ کا مالک تھا۔ وزیر نے بادشاہ کا منصب سنبھالنے کے بعد عوام سے خطاب کیا۔ ”جیسا کہ آپ جانتے ہیں ملک کا اصل بادشاہ ملکی خزانے کا بڑی بے دردی سے استعمال کرنے کے بعد رات کے پچھلے پہر کہیں روپوش ہو گیا ہے۔ اب خزانہ خالی ہے۔ ملک چلانے کیلئے آپ لوگوں کے تعاون کی سخت ضرورت ہے۔ اگر آپ کے دلوں میں تھوڑی سی بھی ملک کی محبت باقی ہے تو میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ اگر ملک میں بسنے والا ہر شخص صرف گندم کے دانے کے برابر ہی چاندی دے دے تو مجھے یقین ہے کہ ملک اپنے پاؤں پر دوبارہ کھڑا ہو سکتا ہے۔“ بادشاہ کی بات سن کر سب نے بلند آواز میں کہا۔ ”یہ ملک ہمارا گھر ہے۔ اگر ملک ہی نہ رہا تو ہماری پہچان بھی مٹ جائے گی۔ ہم سب مل کر یہ قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔“

اگلے دن ہر شخص نے اپنے وعدے کے مطابق چاندی لانا شروع کر دی۔ شام ہونے تک بادشاہ کے سامنے چاندی کا بہت بڑا ڈھیر لگ چکا تھا۔ اب بادشاہ کا دل چاندی دیکھ کر باغ باغ ہو رہا تھا۔ پھر بادشاہ نے چاندی کے ڈھیر میں ہاتھ ڈال کر قہقہہ لگایا اور کہا: ”بادشاہ تم ٹھیک ہی کہتے تھے کہ بادشاہ کی اصل طاقت عوام ہی ہوتی ہے۔ اگر بادشاہ اس طاقت کا استعمال عقل سے کرے تو بادشاہ کے لیے عوام کو بے وقوف بنانا کوئی مشکل کام نہیں۔“

اس کے بعد بادشاہ نے لوگوں کو مختلف طریقوں سے لوٹنا شروع کر دیا۔ اس کے جاسوس گلی کوچوں میں گشت کرتے رہتے، اگر انہیں کسی کے پاس کوئی قیمتی چیز یا جانور نظر آتا تو جاسوس اس



پاس پہنچ کر سوال کیا کہ آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں، قافلے کے سردار نے جواب دیا: ”ہم جس ہستی کے پاس جا رہے ہیں، اس ہستی کا کوئی ایک نام ہو تو بتائیں! کوئی اسے جی کہتا ہے تو کوئی اسے گنج بخش۔ سنو اجنبی! تم بھی ہمارے ساتھ چلو، کافی پریشان لگتے ہو۔ آج تک اس کی چوٹ سے کوئی سوالی خالی ہاتھ نہیں لوٹا۔ بادشاہ نے کہا: ”تو ٹھیک ہے، میں بھی اس نیک ہستی کو اپنی کہانی سناؤں گا۔ اس نیک ہستی کی قربت میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا تو ضرور اللہ تعالیٰ میری پچھلی خطاؤں کو معاف فرمادے گا۔“

صحرا عبور کرنے کے بعد جب قافلہ اپنی منزل پر پہنچا تو بادشاہ ویرانے میں ہزاروں لوگوں کا ہجوم دیکھ کر حیران ہو گیا۔ جیسے ہی بادشاہ نے آگے قدم بڑھایا تو ایک شخص بادشاہ کے پاس

دوڑتا ہوا آکر کہنے لگا: ”بزرگ آپ کا حجرے میں انتظار کر رہے ہیں۔ بادشاہ نے سمجھا شاید یہ کسی اور کو کہہ رہا ہے مگر جب اس شخص نے دوبارہ کہا، حضور میں آپ سے مخاطب ہوں تو پھر بادشاہ کو یقین ہوا کہ اس بزرگ ہستی کا پیغام میرے لئے ہی ہے۔ چلتے چلتے جب بادشاہ حجرے کے قریب پہنچا تو وہاں حاجت مندوں کی لمبی قطار دیکھ کر اسے یقین ہو گیا کہ واقعی یہ تو کسی اللہ والے کی درگاہ ہے۔ دوسری طرف حاجت مند نذر و نیاز حاصل کرنے کے بعد دعائیں دیتے ہوئے رخصت ہو رہے تھے۔ بادشاہ ہجوم کو چیر کر آگے بڑھا تو اس نے بزرگ کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ یہ تو وہی بزرگ بادشاہ ہے جس نے اپنی حکومت میرے حوالے کرنے کے بعد خود رات کے پچھلے پہر اپنے خاندان کے ساتھ روپوش ہو گیا تھا۔ بزرگ بادشاہ خیرات تقسیم کرنے کے بعد لوگوں کو درس دینے میں مشغول ہو گیا۔ بادشاہ بھی وہاں بیٹھ کر درس سنے لگا۔ بزرگ بادشاہ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ”اگر کوئی شخص اپنے زر خریدے ہوئے غلام پر مہربانی نہیں کرے گا تو وہ غلام ایک دن اپنے مالک کے ظلم و ستم سے تنگ آکر بھاگنے کی کوشش کرے گا یا گھٹ گھٹ کر مر جائے گا۔ بادشاہ گھر کے سربراہ کی حیثیت رکھتا

ہے اور رعایا اس کی اولاد۔ اگر گھر کا سربراہ اپنی اولاد پر مہربانی نہیں کرے گا تو ایک دن وہی گھر ٹوٹ کر بکھر جائے گا۔ پھر بادشاہ کو بزرگ بادشاہ کا قول یاد آنے لگا کہ جو شخص سخاوت کا بیج بوتا ہے، وہی بخشش اور بزرگی کی فصل کاٹتا ہے۔ اب بادشاہ کو اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں سیلاب کی طرح بہنے لگیں۔ پھر ہچکیاں لیتے ہوئے ایک تاریک گوشے میں جا کر رونے لگا اور دل ہی دل میں اپنے آپ کو کونسنے لگا۔ آخر کار شرمندگی کے مارے بادشاہ نے وہاں سے جانے کا ارادہ کیا۔ بادشاہ واپس جانے لگا تو اسے پیچھے سے آواز آئی: ”گھبراؤ مت ہم نے تمہارے دل کی آواز سن لی ہے۔ میرے دامن میں اپنی بھگی پلکوں کے آنسو جذب کر لو۔ یہاں دنیا کے ٹھکرائے ہوئے غم زدوں کو پناہ ملتی ہے۔ آنے والے کا دامن بھر جاتا ہے اور ہاتھ بھی نظر نہیں آتا۔“ اس کے بعد بادشاہ، بزرگ بادشاہ کے سینے سے لگ کر رونے لگا۔ پھر بزرگ بادشاہ نے کہا: ”آنسو پونچھ لو، باہر میدان میں تمہارے وطن کے باسی وطن واپس جانے کے لیے بڑی بے صبری سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ اب کی بار یاد رہے کہ بادشاہ کی اصل طاقت عوام ہوتی ہے۔ اگر بادشاہ اس بات کو سمجھے تو پھر وہ ہمیشہ عوام کے دلوں پر راج کر سکتا ہے۔“

☆☆☆



کے وہ چند دن آرام سے گزار سکے گا، لیکن جلد ہی اس نے اس خیال کو جھٹک دیا۔ وہ اس بار کے مالک کے بارے میں سوچنے لگا کہ وہ اس کی گم شدگی پر کتنا پریشان ہوگا۔ عبداللہ نے عہد کیا کہ وہ اس کے مالک کو تلاش کرنے اس کی امانت اس کے حوالے کر دے گا۔ وہ انہی سوچوں میں گم تھا کہ اچانک فضا میں حرم کعبہ سے بلند ہوتی ہوئی ظہر کی اذان کی آواز گونگی۔ اس نے اپنا رخ اللہ کے گھر کی طرف پھیر لیا۔ وہاں جا کر اس نے وضو کیا اور نہایت خشوع و خضوع سے نماز ادا کی۔ وہ نماز سے فارغ ہوا ہی تھا کہ اس نے ایک اعلان سنا۔ کوئی شخص کہہ رہا تھا۔

”بھائیو! میرا ایک قیمتی ہار کہیں گر گیا ہے۔ اگر کسی کو مل جائے تو مجھے اطلاع کرے، اللہ کا اس پر کرم ہو۔“ عبداللہ نے یہ اعلان سنا تو چونکا۔ اس نے اعلان کرنے والے شخص کو اشارے سے اپنی طرف بلایا اور اس سے پوچھا: ”کیا آپ اپنے گم شدہ ہار کی کچھ علامات بتا سکتے ہیں؟“

”کیوں نہیں جی، کیوں نہیں، یہ رہیں اس کی علامتیں۔“ یہ کہہ کر اس نے ہار کی نشانیاں بتانا شروع کر دیں۔ عبداللہ نے محسوس کیا کہ یہ شخص صحیح صحیح علامتیں بتا رہا ہے اور یہی اس ہار کا

پرانے وقتوں کی بات ہے کہ مکہ مکرمہ میں عبداللہ نامی ایک تاجر رہتا تھا۔ اس نے اپنا کاروبار معمولی سرمائے سے شروع کیا تھا، لیکن رات دن کی محنت اور لگن سے اس کا کاروبار ترقی کرنے لگا۔ قدرت بھی اس پر مہربان ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا کاروبار ملک کے طول و عرض میں پھیل گیا۔ چند سالوں میں اس کا شمار ملک کے اونچے درجے کے تاجروں اور سیٹھوں میں ہونے لگا۔ دھن دولت چلتی پھرتی چھاؤں ہے، یعنی اس کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ آج ہے تو کل نہیں ہے، یہی معاملہ عبداللہ کے ساتھ بھی ہوا۔ اس کی تجارت کو کسی کی نظر لگ گئی۔ اسے آئے دن نفع کے بجائے نقصان ہونے لگا۔ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ لاکھوں کروڑوں میں کھیلنے والا شخص کوڑی کوڑی کا محتاج ہو گیا۔ اس کی جائیداد نیلام ہو گئی، جمع پونجی قرض خواہ لے اڑے، غرض عرش پر اُڑنے والا فرش پر آن گرا۔

ایک دن عبداللہ روزگار کی تلاش میں نکلا۔ ایک گلی سے گزرتے ہوئے اس کی نظر ایک ہار پر پڑی جو زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اس نے لپک کر اسے اٹھا لیا۔ وہ ایک نفیس اور قیمتی ہار تھا۔ اس نے سوچا کہ قدرت نے اس کی مدد کی ہے۔ اس ہار کو فروخت کر

ساحل سمندری پر پہنچا۔ خوش قسمتی سے اسے ایک تیار کشتی مل گئی۔ وہ اس پر سوار ہو گیا۔ جب مسافروں کی تعداد پوری ہوئی تو کشتی چل پڑی، عبداللہ کو کچھ پتا نہیں تھا کہ اس کی منزل کہاں ہے اور اس نے کہاں اترنا ہے۔ سفر کا پہلا دن تو خیریت سے گزر گیا لیکن دوسرے دن کشتی کو سمندری طوفان کا سامنا کرنا پڑا۔ بیس بیس فٹ اونچی موجیں اٹھ رہی تھیں۔ ان کے درمیان کشتی بے چاری ایک معمولی سیلے کی مانند دکھائی دیتی تھی۔ اس افراتفری کے عالم میں وہ ایک سمندری چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئی۔ عبداللہ نے پھرتی سے ایک تختے کو پکڑ لیا اور اس پر بیٹھ کر اپنی جان بچائی۔ یہ تختہ موجوں پر تیرتا ہوا ایک جزیرے کے کنارے جا لگا۔ عبداللہ نے ساحل پر چھلانگ لگا دی اور اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اس کی جان سلامت رہی۔

اس جزیرے پر ایک شہر آباد تھا۔ عبداللہ وہاں کے لوگوں سے ملا۔ اسے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ وہاں کے باشندے مسلمان تھے۔ اس نے مسجد کا پتا پوچھا تو ایک نیک آدمی نے اس کا

مالک ہے۔ اس نے جھٹ اپنی جیب سے ہار نکالا اور اس کے مالک کی طرف اُچھال دیا۔ مالک نے اپنے ہار کو پہچان لیا۔ اسے چوما پھر عبداللہ کے ہاتھ چومے، اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اس کے حق میں ذہیروں دعائیں کیں۔ عبداللہ نے کہا کہ اس نے اس ہار کو امانت سمجھ کر اٹھایا تھا۔ اب اسے اس کے مالک کے حوالے کر کے اسے بھی اتنی ہی خوشی محسوس ہو رہی ہے جتنی اس کے مالک کو اپنی گم شدہ چیز کو پا کر ہو رہی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے ہار کے مالک کے سامنے اپنی تنگ دستی کا بھی ذکر کر دیا اور اس سے تھوڑی سے مالی مدد مانگی۔ ہار کے مالک نے شائستگی سے جواب دیا: ”میرے محسن! میں ایک پردیسی ہوں، میں ایک لمبا سفر کر کے عمرہ کی غرض سے یہاں آیا ہوں۔ میرے پاس صرف اتنی رقم ہے جس سے میں بمشکل واپسی کا سفر کر سکوں گا۔ اگر میری مالی حالت بہتر ہوتی تو میں آپ کی ضرورت مدد کرتا لیکن کیا کروں کہ میں اس وقت خود مجبور ہوں۔ میرے پیارے! محسوس نہ کرنا، میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس نیکی کا صلہ عطا فرمائے جو آپ نے میرے ساتھ کی ہے۔“

عبداللہ نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ ”ہاں دوست! اللہ تعالیٰ میرے لیے کوئی اور راستہ نکال دے گا۔“ حرم شریف سے نکل کر عبداللہ نے گھر کی راہ لی۔ آج بھی وہ خالی ہاتھ گھر لوٹا تھا۔

عبداللہ کے چند مخلص دوستوں نے اسے رائے دی کہ وہ مکہ مکرمہ چھوڑ کر کسی اور شہر میں جا کر قسمت آزمائی کرے، ممکن ہے کہ اسے پردیس میں روزگار مل جائے اور اس کے حالات سنوڑ جائیں۔ اس نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ سفر کی تیاری کی اور گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ چند دن کے مشکل سفر کے بعد وہ



”میرے بابا جان عمرہ کرنے کی غرض سے مکہ مکرمہ گئے تھے۔ وہاں انہوں نے میرے لیے یہ ہار خریدا تھا۔ وہ بتایا کرتے تھے کہ ایک دن یہ ہار گم ہو گیا تھا جس سے وہ بہت پریشان ہوئے تھے۔ انہوں نے حرم پاک میں اس کی گم شدگی کا اعلان کیا جسے سن کر ایک نیک دل اور دیانت دار نوجوان نے یہ ہار لا کر ان کے حوالے کیا تھا۔ بابا جان اس جوان کے حق میں بہت دعائیں کیا کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے مجھے کہا کہ بیٹی! اللہ تعالیٰ تجھے بھی مکہ کے اس نیک اور دیانت دار جوان جیسا خاندان عطا فرمائے۔“

دلہا کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ اس نے فرط جذبات سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”اری نیک بخت! آپ کے بابا جان کی دعا قبول ہو گئی ہے۔ مکہ مکرمہ کے جس جوان کو یہ گم شدہ ہار ملا تھا اور اس نے اسے اس کے مالک تک بحفاظت پہنچایا تھا، وہ میں ہی تو تھا۔“

سچ ہے نیکی کبھی رازِ گان نہیں جاتی اس کا صلہ ایک نہ ایک دن ضرور ملتا ہے، خواہ دنیا میں، خواہ آخرت میں۔ (عربی ادب سے ماخوذ)

مفسداتِ نماز کا بیان

مفسداتِ نماز ان چیزوں کو کہتے ہیں جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، یعنی نماز ٹوٹ جاتی ہے اور اسے لونا نا ضروری ہو جاتا ہے۔ مفسداتِ نماز یہ ہیں:

۱۔ نماز میں کلام کرنا، چاہے قصداً ہو یا بھول کر، تھوڑا ہو یا بہت، ہر صورت میں نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ ۲۔ سلام کرنا یعنی کسی شخص کو سلام کرنے کے قصد سے سلام یا تسلیم یا السلام علیکم یا اسی جیسا کوئی لفظ کہہ دینا۔ ۳۔ سلام کا جواب دینا یا چھینکنے والے کو بوحکم اللہ یا نماز سے باہر والے کسی شخص کی دعا پر آمین کہنا۔ ۴۔ کسی بُری خبر پر انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھنا یا کسی اچھی خبر پر الحمد للہ کہنا یا کسی عجیب خبر پر سبحان اللہ کہنا۔ ۵۔ درد یا رنج کی وجہ سے آہ یا آف کرنا۔ ۶۔ اپنے امام کے سوا کسی دوسرے کو لقمہ دینا یعنی قرأت پانا۔ ۷۔ قرآن شریف دیکھ کر پڑھنا۔ ۸۔ قرآن مجید پڑھنے میں کوئی سخت غلطی کرنا۔ ۹۔ عمل کثیر کرنا یعنی کوئی ایسا کام کرنا جس سے دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھ رہا ہے۔ ۱۰۔ کھانا پینا قصداً ہو یا بھولے سے۔ ۱۱۔ دو صفوں کی مقدار کے برابر چلنا۔ ۱۲۔ قبلے کی طرف سے بلا عذر سینہ پھیر لینا۔ ۱۳۔ ناپاک جگہ پر سجدہ کرنا۔ ۱۴۔ ستر کھل جانے کی حالت میں ایک رکن کی مقدار پڑھنا۔ ۱۵۔ دعائیں ایسی چیز مانگنا جو آدمیوں سے مانگی جاتی ہے مثلاً یا اللہ مجھے آج سو روپے دے دے۔ ۱۶۔ درد یا مصیبت کی وجہ سے اس طرح رونا کہ آواز میں حروف ظاہر ہو جائیں۔ ۱۷۔ بالغ آدمی کا نماز میں قہقہہ مار کر یا آواز سے ہنسا۔ ۱۸۔ امام سے آگے بڑھ جانا وغیرہ۔ ☆☆☆

ہاتھ پکڑا اور مسجد کے سامنے لا کھڑا کیا۔ اس نے اپنے محسن کا شکریہ ادا کیا اور خانہ خدا میں داخل ہو گیا۔ اس نے شکرانے کے نوافل ادا کیے اور مستقل طور پر مسجد ہی میں رہنے لگا۔ اہل محلہ نے پردہ لپی سمجھ کر اس کے کھانے پینے کا بندوبست کیا اور اس کی چھوٹی موٹی ضرورتیں پوری کرنے لگے۔ اس کا زیادہ تر وقت عبادت اور تلاوت میں گزرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے خوش آوازی بخشی تھی۔ اس کی تلاوت سن کر لوگ بے حد متاثر ہوتے تھے۔ ایک دن ایک معزز آدمی نے اس سے پوچھا: ”کیا آپ بچوں کو قرآن شریف کی تعلیم بھی دے سکتے ہیں؟“ اس نے جواب دیا: ”جی ہاں جناب!“ چنانچہ اسے محلہ کے لوگوں نے اپنے بچوں کا استاد مقرر کر دیا اور اس کے لیے معقول تنخواہ مقرر کر دی۔ مسجد کے خطیب نے اس میں قابلیت کا جوہر دیکھا تو اسے اپنا نائب بنانے کی خواہش کا اظہار کیا، اہل محلہ نے بھی خطیب صاحب کی تائید کی، اس طرح اسے ایک باوقار منصب مل گیا اور اس کی تنخواہ میں بھی اضافہ کر دیا گیا۔ ابھی کچھ ہی مدت گزری تھی کہ خطیب صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان کی وفات کے بعد عبداللہ نے مسجد کے سارے اختیارات خود سنبھال لیے اور وہاں ایسا نظام قائم کیا کہ مسجد صرف عبادت گاہ ہی نہ رہی بلکہ ایک معیاری درس گاہ بھی بن گئی جہاں چھوٹے بڑے سب تعلیم پانے اور اسلامی آداب سیکھنے لگے۔

ایک دن محلہ کا ایک نہایت ہی قابل احترام شخص عبداللہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ”پچھلے دنوں ہمارے ایک متقی پرہیزگار دوست فوت ہو گئے ہیں۔ ان کے پس ماندگان میں صرف ایک بیٹی ہے جو غیر شادی شدہ ہے۔ مرحوم نے مجھے وصیت کی تھی کہ ان کی بیٹی کا نکاح کسی نیک آدمی کے ساتھ کر دینا۔ مجھے اس کا رُخیر کے لیے آپ ہی موزوں نظر آتے ہیں۔ اگر آپ کی خواہش ہو تو میں آپ کے لیے کوشش کروں۔“ عبداللہ نے جواب دیا: ”نیکی اور پوچھ پوچھ؟ حضرت! ضرور کوشش کریں۔“ الغرض اہل محلہ کے تعاون سے عبداللہ کا نکاح نہایت سادگی سے کر دیا گیا اور دلہن کی رخصتی بھی فوری طور پر ہو گئی۔ جب دلہانے دلہن کا گھونگھٹ اٹھایا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے گلے میں وہی ہار چمک دمک رہا تھا جو اسے مکہ مکرمہ کی ایک گلی میں پڑا ہوا ملا تھا۔ اس نے نہایت تعجب سے پوچھا: ”بیگم جان! آپ کے پاس یہ ہار کیسے پہنچا؟“ دلہن بولی:

- 9۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا لقب کیا ہے؟
 ا۔ بری امام ii۔ وارث النبی فی البند iii۔ بوعلی قلندر
 10۔ بابائے اردو کن کو کہا جاتا ہے؟
 ا۔ مولوی عبدالحق ii۔ مولانا الطاف حسین حالی iii۔ سر سید احمد علی خان

جوابات علمی آزمائش ستمبر 2014ء

1۔ 313 2۔ سلام 3۔ تھرموس 4۔ پوٹاشیم نائٹریٹ 5۔ ہیٹ آگے بڑھو 6۔ بحر
 اوقیانوس 7۔ اعلیٰ یا اعلیٰ کا درخت 8۔ سندھ 9۔ ٹوٹ بک 10۔ شاہ جہاں

اس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے

- 3 ساتھیوں کو بذریعہ قلم اندازی انعامات دیے جا رہے ہیں۔
 ☆ شفیق فاطمہ، راول پنڈی (150 روپے کی کتب)
 ☆ کنول شہزادی، کاموکی (100 روپے کی کتب)
 ☆ عبید اکرم شریف، میاں والی (90 روپے کی کتب)

دماغ لڑاؤ سلسلے میں حصہ لینے والے کچھ بچوں کے نام یہ ذریعہ قلم اندازی:
 بہاولپور: رشید، اسلام آباد: فتح محمد شارق، خوشاب: محمد شادمان صابر، لاہور:
 صداقت علی، لاہور: حافظ محمد فیض، وزیر آباد: محمد انس نورانی، گوجرانوالہ:
 عثمان بن وحید، اسلام آباد: محمد شکیب مسرت، بہاول پور: صبیح الحسن، سیال
 کوٹ: رائے شوکت، فیصل آباد: عبدالجبار انصاری، لاہور: عبداللہ شیخ،
 شہداد پور: انیسہ فخر، میرپور آزاد کشمیر: حفصہ اعجاز، صوابی: روا فاطمہ،
 گوجرانوالہ: محمد عبداللہ ثاقب، پشاور: زونیرہ ہارون، نوشہرہ: تحفہ مریم،
 لاہور: عشرہ امین، لاہور: نضیب ناصر، فیصل آباد: محمد احمد خاں غوری،
 بہاول پور: محمد طیب اشرف اعوان، لاہور: سحر خان، کراچی: مہر اکرم،
 لاہور: حمزہ عدنان، لاہور: نذیب ارشد لون، سیال کوٹ: احمد علی، لاہور:
 عبدالرحمن ندیم، گوجرانوالہ: حافظ شاہ عروج، فیصل آباد: عبداللہ شاہ، دریا
 خان: رحیمین زمان، کرک۔ محمد جمال، میاں والی: احمد یار، لاہور: معیز
 اعتراز، انک۔ فائزہ نوید ملک، لاہور: سمیعہ توقیر، کراچی: عشیاء نور، سیال
 کوٹ: رانا بلال احمد، بھکر: تحریم فاطمہ، لاہور: ارمان شیخ، حیدر آباد:
 فاطمہ صفیر، منڈی بہاؤ الدین: فرحین امین، گوجرانوالہ: ذیشان احمد صدیقی،
 سمندری: محمد مجیر خان، بھکر: عائشہ فاطمہ، گوجرانوالہ: ذیشان احمد صدیقی،
 میاں والی: عرینہ آفتاب، کراچی: مرزا اسفار بیگ، حیدر آباد: ملک محمد
 سلمان، راول پنڈی: شمر طارق بٹ، گوجرانوالہ: محمد حذیفہ سلیم، لاہور:
 مقبول احمد، ٹیکسلا: کول صادق چوہدری، گوجرانوالہ: عمیر محمود، اڈاکاڑہ:
 محمد زبیر عبداللہ، شیخوپورہ: تنزیل الرحمن، گجرات: اسد اکرم، فیصل آباد:



درج ذیل دیے گئے جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

- 1۔ چوتھے کلمے کا کیا نام ہے؟
 ا۔ کلمہ تجہید ii۔ کلمہ توحید iii۔ کلمہ شہادت
 2۔ قرآن کریم میں صلح حدیبیہ کو کس نام سے تعبیر کیا گیا ہے؟
 ا۔ فتح مکہ ii۔ فتح مبین iii۔ فتح الفتوح
 3۔ سینٹی گریڈ تھرماسٹر میں انسان کا درجہ حرارت کتنا ہوتا ہے؟
 ا۔ 30 سینٹی گریڈ ii۔ 36 سینٹی گریڈ iii۔ 40 سینٹی گریڈ
 4۔ عراق کا قدیم نام کیا تھا؟
 ا۔ سیلون ii۔ میسوپوٹیمیا iii۔ فارس
 5۔ علامہ اقبال نے اپنی کس کتاب میں خوش حال خاں کی وصیت کو نظم کیا ہے؟
 ا۔ بال جبریل ii۔ ضرب کلیم iii۔ بانگ درا
 6۔ یہ شعر کس کا ہے؟
 جس نجومی نے کہا تھا کہ یہ سال اچھا ہے.....
 اس کو دفناؤ میرے ہاتھ کی ریکھاؤں میں
 ا۔ احمد فراز ii۔ قتیل شفائی iii۔ ناصر کاظمی
 7۔ قرآنی خطاطی کے لیے کس پاکستانی مصور نے خط کمال ایجاد کیا؟
 ا۔ شفیق فاروقی ii۔ اسلم کمال iii۔ عبدالرحمن چغتائی
 8۔ آکس باکی میں استعمال ہونے والی گیند کو کیا کہا جاتا ہے؟
 ا۔ Pock-i ii۔ Puck iii۔ Pluk

راشد علی نواب شاہی



پیلے اللہ کے پیلے نام

الْجَامِعُ جَلَّ جَلَالُهُ (جمع کرانے والا)

ذرے ہو گئے اور جگہ جگہ پھیل گئے۔ اب اس کا وجود تو ہے نا! اب اللہ تعالیٰ کے لیے کیا مشکل ہے جس نے پہلے بغیر کسی مثال اور نمونے کے زندہ فرمایا اب نمونہ اور ذرات تو موجود ہیں نا، اب دوبارہ زندہ فرمانا کیا مشکل ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے اور زیادہ آسان ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا ایک مبارک نام ”الْجَامِعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا جو ہم پڑھتے ہیں۔ ”ارے ہمارے رب! تو تمام انسانوں کو ایک ایسے دن جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔“

تلاشِ گم شدہ

سلیم صاحب بہت پریشان تھے۔ عاقب کی والدہ آصفہ رو کر ہلکان ہو چکی تھی۔ سات سالہ عاقب دو گھنٹے سے لاپتا تھا۔ وہ باہر کھینے کے لیے نکلا تھا مگر ابھی تک واپس نہیں آیا۔

سردیوں کی چھٹیاں گزارنے عاقب اپنے ماموں کے گھر آئے ہوئے تھے۔ سب محلے کے بچے بہت زیادہ غمگین ہو چکے تھے کہ ان کا مہمان دوست عاقب گم ہو گیا تھا۔

بیٹا! آ جاؤ۔ باہر مت جاؤ۔ بلال کی امی نے اسے باہر جانے

الجامعُ جَلَّ جَلَالُهُ تمام فضائل کو جمع کرتا ہے اور اچھے اعمال اور اخلاق کی حفاظت کرتا ہے۔

الحمد للہ! ہم سب مسلمان ہیں اور ہمارا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سارے انسانوں کو دوبارہ زندہ فرما کر ایک جگہ جمع فرمائیں گے۔ کافر لوگ اس بات کو ماننے سے انکار کر دیتے تھے۔ آج بھی بے چارے کافر یہ حیرت سے کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گا!!

کوئی آدمی سمندر اور دریا میں ڈوب کر مر جاتا ہے..... جو مٹی میں دفن ہوتے ہیں وہ مٹی میں ہی مٹی ہو جاتے ہیں..... جو قبرستان دریاؤں کے کنارے تھے، وہ مٹی تو پانی کے ساتھ بہہ جاتی ہے۔ یہ کیسے ہو گا کہ وہ انسان دوبارہ زندہ ہو جائے گا اور کوئی اسے ایک جگہ جمع کرے گا۔

قرآن کریم نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے۔

وہ اللہ جس نے سب کو بغیر نمونے کے پیدا فرمایا، پہلے کسی کا کوئی وجود نہیں تھا، اب یہ مر گیا اور مٹی میں گھل گیا اور اس کے ذرے

سے منع کیا۔

”امی! عاقب کو تلاش کرنے جا رہا ہوں۔“

”نہیں! تم آ جاؤ، تمہارے بڑے بھائی طلحہ چلے جائیں گے، تم یہیں بیٹھو۔“

امی کی ڈانٹ سن کر وہ گھر کے کونے میں خاموشی سے بیٹھ گیا اور دل ہی دل میں عاقب کے ملنے کے لیے دُعا کی کرتے لگا۔

”انکل! مسجد میں اعلان کروادیں۔“ حمزہ نے ماہرانہ رائے دی۔

”نہیں انکل! ہمارے اُستاد صاحب نے بتایا ہے کہ اگر کوئی

چیز گم ہو جائے تو مسجد میں اعلان نہیں کروانا چاہتے کیوں کہ فرشتہ بددعا دیتا ہے کہ تیری گم شدہ چیز تجھے نہ ملے۔“

”اعلان نہ کروائیں ہم خود تلاش کر لیتے ہیں۔“ طیب نے ناصحانہ

انداز میں کہا، پھر طیب اور تنزیل گراؤنڈ کے ساتھ کھیتوں کی طرف بڑھے۔ جب کہ محلے کے بچے شہر کے چاروں طرف پھیل گئے۔

”طیب! ایسا کرتے ہیں ہم وہ دُعا پڑھ لیں جو گم شدہ چیز

واپس ملنے کے لیے سرزادہ نے ہمیں سکھائی ہے۔“ تنزیل نے کہا۔

”دوست! میں اس دن اسکول ہی نہیں آیا تھا، مجھے تو یاد نہیں

ہے۔“ طیب نے جواب دیا۔

”دیکھو! اسکول سے نانہ کرنے کا کتنا بڑا نقصان ہے۔“

”بس آئندہ خیال رکھوں گا۔ وہ دُعا تم مجھے بھی سکھا دو۔“ طیب

نے تنزیل کا جواب دیتے ہوئے کہا، تنزیل اسے دُعا پڑھانے لگا۔

دُعا پڑھ کر کھیت کے آخری کنارے کے ساتھ نئی تعمیر ہونے والی آبادی ”ماڈل کالونی“ تک پہنچ چکے تھے۔

”پتا نہیں کس کا بچہ ہے؟“ دو آدمی آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔

”جی انکل! وہ بچہ ہمارا بھائی ہے۔ دو گھنٹے سے گم ہے۔“

طیب نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

ایک آدمی نے جھوپڑی کی طرف اشارہ کیا۔ عاقب ایک

بوڑھے بابے کی جھوپڑی میں ایک ٹوی پھوٹی کرسی پر بہت خوف

زدہ بیٹھا ہوا تھا۔

”بابا جان! یہاں تک کیسے پہنچا؟“ تنزیل نے پوچھا۔

”بیٹا! یہ کب سے ادھر ادھر بھٹکتا ہوا رہا تھا۔ مجھے لگا کہ یہ

راستہ بھول گیا ہے، میں نے اس کے محلے کا پوچھا تو یہ نہ بتا سکا۔

میں نے گھر سے کھانا کھلایا اور پانی پلانے کی کوشش کی، مگر یہ انکار

کرتا رہا۔ میں اپنے بیٹے کا انتظار کر رہا ہوں کہ وہ آئے اور اس

بچے کے بارے میں کچھ کرے مگر اس کے دوست کا ایکسیڈنٹ ہو

گیا اور وہ اچانک اسپتال چلا گیا۔“

بابا نے انہیں ساری روداد بتائی۔ اتنی دیر میں بابا کا بڑا بیٹا آ گیا۔

”تمہیں اپنے گھر کا فون نمبر معلوم ہے؟“

”جی! بابا کے پوچھنے پر طیب نے جواب دیا اور تھوڑی دیر

بعد عاقب کے والد سلیم اور اس کے ماموں افتخار صاحب آپہنچے۔

☆☆

عاقب کو دیکھتے ہی آصفہ نے اسے گلے سے لگا لیا۔

”کہاں تھا میرا لعل؟“

”آئی! یہ راستہ بھول گیا تھا، ماڈل کالونی میں تھا۔“

”اوہو! اتنی دُور، بیٹا کیسے پہنچے تم وہاں پر!!“ ماں نے روتے

روتے پوچھا، عاقب چپ چاپ خوف زدہ کھڑا تھا۔

”تمہیں کیسے ملا؟“ آصفہ نے پوچھا۔

”ایک دُعا نے ملایا۔“ طیب اور تنزیل نے خوش ہو کر کہا۔

”جی ہاں! آئی ہم ایک دُعا پڑھ کر عاقب کو تلاش کرنے

لگے۔ ہمارے اُستاد زاہد صاحب نے بتایا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ”اگر کسی سے کوئی چیز گم ہو جائے اور

یہ دُعا مانگ لے تو اللہ تعالیٰ گم شدہ چیز کو لوٹا دیتے ہیں۔“

ترجمہ: اے ہمارے رب! آپ یقیناً لوگوں کو ایک دن جمع

کرنے والے ہیں۔ جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ اے اللہ!

اے لوگوں کو جمع کرنے والے اس دن جس کے آنے میں کوئی

شک نہیں۔ مجھے اور میرے مال کو جمع فرما دیجئے۔ بے شک آپ ہر

چیز پر قادر ہیں۔

”اسی دُعا کی برکت سے ہمارا بیٹا عاقب واپس ملا ہے۔“ ابو

نے کہا۔

”اے اللہ تعالیٰ! آپ کا شکر ہے آپ نے ہمیں اپنے عاقب

کے ساتھ جمع کر دیا۔“ امی نے شکر ادا کیا تو سب مل کر اللہ تعالیٰ کا

شکر ادا کرنے لگے۔

پیارے بچو! ہمیں چاہیے کہ ہم نیکیاں کریں اور جو کام اللہ تعالیٰ کو

ناپسندیدہ ہوں، ان کو کرنے سے بچیں تاکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جب

سب لوگوں کو جمع کریں گے تو ہم کامیاب لوگوں میں سے ہوں۔☆☆

میں ماں سے نفرت کا جنون ایسا پروان چڑھا کہ ایک دن میں نے اپنی ماں کو کھری کھری سادی۔
 ”ماں میں تیری وجہ سے اسکول میں مذاق بنا ہوا ہوں، تو میرے پاس مت آیا کر۔ تو میری جان بخش دے اور میرا پیچھا چھوڑ دے۔“ میں نے تلخ لہجے میں کہا۔
 ”کیوں بیٹا؟“ ماں کے چہرے پر حیرت اور گھبراہٹ سے ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔
 ”ماں! سب میرا مذاق اڑاتے ہیں کہ تمہاری ماں کی ایک آنکھ ہے اور کتنی بد صورت لگتی ہے۔“ میں نے ماں کی طرف دیکھے بغیر کہا۔



”ماں تو چلی جا یہاں سے۔ میں تیرے ساتھ نہیں رہنا چاہتا۔“ میں نا سمجھی میں گڑے ہوئے نواب کی طرح ماں کو تو کر کے ہی مخاطب کیا کرتا تھا۔ ادب اور احترام جیسے مجھے چھو کر نہ گزرا تھا۔
 ”میرے کلیجے کے ٹکڑے! میں تجھ سے کیسے دُور رہ سکتی ہوں۔ تو تو میرے دل کا سکون ہے، تو ہی میری کل کائنات ہے۔“ میرے نشتر جیسے الفاظ نے میری ماں کا دل کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ وہ کچھ نہ بولی۔ وہ میری خوشی ہی میں خوش تھی اور چپکے سے سر جھکائے اٹھی اور گھر سے کام کے لیے چل دی۔
 وقت تیزی سے گزرتا رہا اور میں نے تعلیم مکمل کر لی۔ مجھے وظیفہ ملا تو بیرون ملک اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے چلا گیا۔ وہاں سے واپس آ کر میں نے ایک ادارے میں ملازمت اختیار کی اور شادی بھی کر لی۔ اس دوران میں نے اپنی ماں کی خبر تک نہ لی۔ شادی کے بعد میں اپنی ماں کو اکیلا چھوڑ کر دُور کسی علاقے میں الگ گھر میں رہنا شروع کر دیا۔ پھر ایک دن میری ماں میرے گھر تک آ پہنچی۔ اسے میری شادی اور بچوں کا علم نہ تھا۔

بچوں نے دروازہ کھولا تو میری ماں گھر کے دروازے کے باہر کھڑی تھی۔ میرے بچوں نے میری ماں کی صورت دیکھ کر خوب مذاق اڑایا۔ میں نے دیکھا تو چیخ کر بولا:

”ماں تم یہاں بھی میرے بچوں کو ڈرانے کے لیے آ گئی ہو۔ تمہیں کیسے جرأت ہوئی؟ میں اخلاقیات کی تمام حدود پار کر چکا تھا۔ غصے سے میرا چہرہ سرخ ہو گیا۔

میں بہت چھوٹا تھا جب میرے باپ کا انتقال ہو گیا۔ میں اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اسی لیے والدین کی خوب شفقتیں اور محبتیں سمیٹیں۔ میری بیوہ ماں نے مجھے بہت محبت سے پالا۔ صرف میری خاطر لوگوں کے گھروں میں کام کیا اور بیوہ عورت ہونے کے باوجود حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ میری ماں نے دُنیا کی ہر خوشی اور نعمت میرے سامنے ڈھیر کر دی۔

جب میں پانچ سال کا ہوا تو مجھے اسکول میں داخل کروا دیا۔ میری ماں کی ایک آنکھ تھی اور وہ میرے اسکول کی کینٹین میں ملازمہ تھی۔ میں اپنی ماں کی شکل سے نفرت کرتا اور اسے حقارت سے دیکھتا تھا لیکن ماں پھر بھی اپنی شفقت نچھاور کرتی رہی۔ میں جب اسے دیکھ کر غصے سے تلملاتا تو اس بات سے بے خبر ہوتا کہ میری ماں کے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو اہل پڑتے اور وہ آہستگی سے دوپٹے کے پلو سے انہیں صاف کر دیتی۔ کبھی کبھار وہ میری خیریت معلوم کرنے کلاس میں بھی آ جاتی تھی۔ میرے ہم جماعت میرا اور میری ماں کا مذاق اڑاتے تو میں بہت شرمندگی محسوس کرتا۔ آخر ایک دن میرے ایک ہم جماعت نے مجھے کہہ ہی دیا۔

”یار تمہاری ماں کی تو ایک آنکھ ہے۔“ اور ساتھ ہی فوجیہ لگا کر ہنس پڑا۔ میرا دل چاہا زمین پھٹے اور میں اس میں دھنس جاؤں۔ اب یہ سب میری برداشت سے باہر تھا۔ میں اپنی ماں سے لاپرواہی برتا رہا اور اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیا۔ میرے دل

دل خوشی سے باغ باغ اور سرخسے سے بلند ہو گیا کہ میرا بیٹا اب میری آنکھ سے دُنیا کو دیکھے گا۔ میں تجھے پُر اعتماد اور ہر خامی سے مبرا دیکھنا چاہتی تھی۔ تو سدا سلامت رہے۔
دل کی گہرائیوں سے..... تمہاری ماں۔

خط پڑھتے ہی میرا دل ندامت اور پچھتاوے سے بھر گیا۔ پشیمانی کے آنسو میری آنکھوں سے بہنے لگے۔ دل چاہا کہ زمین پھٹے اور میں اس میں سما جاؤں۔ ازلے اور تلافی کا وقت گزر چکا تھا کیوں کہ ماں اس دُنیا سے گزر چکی تھی۔ میں اب اپنی پیاری ماں کو کہاں سے لاؤں، میں دیوار پر سر مار مار کر روتا رہا۔ کاش میں نے والدین کے ساتھ نیک سلوک کیا ہوتا۔ اپنی دُنیا اور آخرت برباد نہ کرتا۔ افسوس کہ میں نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں قرآنی آیات پر عمل کر لیا ہوتا جس میں اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور ان کے بارے میں دعا کرنے کے الفاظ بھی بتائے ہیں۔
قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”اور آپ کے رب نے حکم فرما دیا ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو۔ اگر تمہارے سامنے دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں ”اُف“ تک بھی نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا بھی نہیں اور ان دونوں کے ساتھ بڑے ادب سے بات کیا کرو۔

اور ان دونوں کے لیے نرم دل سے عجز و انکساری کے بازو جھکائے رکھو اور (اللہ کے حضور) عرض کرتے رہو، اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے (رحمت و شفقت سے) پالا تھا۔

افسوس صد افسوس میں اتنا پڑھ لکھ گیا لیکن دین کی باتوں کو نہ سمجھ سکا۔ میری سزا دُنیا میں ہی پچھتاؤں کی صورت میں مجھے مل گئی۔ بے شک والدین سے بُرا سلوک بہت بڑا گناہ ہے اور اس کی سزا دُنیا ہی میں مل جاتی ہے۔ اب نہ ماں واپس آ سکتی تھی اور نہ میں معافی مانگ سکتا ہوں۔ آخرت میں دوزخ میں جلتے کی سزا تو ملے گی ہی لیکن دُنیا میں پچھتاؤں کی آگ میں جلنا دوزخ کی آگ سے زیادہ اذیت ناک ہے۔ ☆☆☆

”معاف کر دو بیٹا! میں غلط جگہ پر آ گئی ہوں۔“ ماں نے آہستگی سے کہا اور دھیمے قدموں سے واپس پلٹ گئی۔

ایک دن مجھے اپنے بچپن کے شہر میں ایک تقریب میں شامل ہونے کا دعوت نامہ ملا جس میں اسکول کے پرانے طالب علموں کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس تقریب میں سب نے اپنے بچپن کی یادوں کو تازہ کرنا تھا۔ اسکول کی تقریب میں شرکت کے بعد میرا دل چاہا کہ کیوں نہ اس گلی اور محلے میں جاؤں جہاں میں بچپن میں رہا کرتا تھا۔ جہاں میں پیدا ہوا، کھلا کودا اور اپنا لڑکپن گزارا۔ وہاں پہنچنے کے بعد محلے والوں نے مجھے بتایا کہ تمہاری ماں مریچکی ہے اور کسی پڑوسی نے ایک بدلفافہ مجھے تنہا دیا۔ یہ لفافہ میری ماں نے میرے لیے دیا تھا جس میں تحریر تھا: ”اے میرے پیارے بیٹے، میرے جگر کے ٹکڑے! تجھے دیکھنے کو میری آنکھیں ترس گئی ہیں لیکن میں مجبوراً تجھے نہیں مل سکتی۔ میں تجھ سے معافی چاہتی ہوں کہ میں تمہارے گھر آئی اور تمہارے بچے میری شکل دیکھ کر ڈر گئے۔ بیٹا! ساری عمر میں نے تجھے بے زار کیا۔ میری شکل کی وجہ سے تو لوگوں کے سامنے شرمندہ ہوتا رہا اور میں تیرے لیے ندامت کا باعث بنتی رہی۔ آج تم اسکول میں تقریب میں شرکت کے لیے آئے، مجھے پتا چلا تو میرا دل خوشی سے بھر گیا۔ میری آنکھوں کے بجھتے چراغ جل اٹھے تھے۔ دل چاہا پَر لگ جائیں اور تجھے جا کر دیکھ آؤں۔ لیکن پیارے بیٹے اب میرے جسم میں اتنی سکت نہ رہی تھی کہ چارپائی سے اٹھ سکتی۔ افسوس ہے کہ تو نے مجھے اپنے سے دُور کر لیا۔ میں تیرے ساتھ زیادہ وقت نہ گزار سکی۔ یہ قلق مجھے ہمیشہ رہا۔ تو میری نظروں سے دُور تو رہا لیکن میرے دل میں بسا رہا۔ میں اپنی شکل کا کیا کرتی۔ میری ایک آنکھ نے مجھے بد صورت بنا دیا اور تو میری وجہ سے ندامت اٹھاتا رہا۔ کیا تم جانتے ہو کہ تم بہت چھوٹے تھے جب تمہارے ساتھ ایک حادثہ ہوا تھا۔ اس حادثے میں تمہاری ایک آنکھ ضائع ہو گئی تھی۔ میں ماں ہونے ناطے اپنے بیٹے، اپنے جگر کے ٹکڑے کو ایک آنکھ کے ساتھ پلتا، بڑھتا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ لوگ تیرا مذاق اڑائیں، تجھے ایک آنکھ کا طعنہ دیں اور میرا چاند سا بیٹا ایک آنکھ سے بد صورت لگے۔ پھر میں نے سرجری کے ذریعے اپنی ایک آنکھ تجھے دے دی۔ اس وقت میرا

نبی کریم ﷺ کی شفقت کا اثر

اعلانِ نبوت کے چند روز بعد نبی کریم ﷺ ایک رات مکہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ انہیں کسی کے گھر سے رونے کی آواز آئی۔ حضور ﷺ اس دردناک آواز کو سننے کی غرض سے اس گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک نوجوان جو حبشہ کا معلوم ہوتا تھا، چکی چس رہا تھا اور زار و قطار رو رہا تھا۔ آپ ﷺ نے رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ میں ایک غلام ہوں۔ سارا دن اپنے مالک کی کبریاں چراتا ہوں، شام کو تھک کر جب گھر آتا ہوں تو میرا مالک مجھے گندم کی ایک پوری پیسنے کے لیے دے دیتا ہے جس کو پیسنے میں ساری رات لگ جاتی ہے۔ میں اپنی قسمت پر رو رہا ہوں کہ میری بھی کیا قسمت ہے۔ میں بھی تو ایک گوشت پوست کا انسان ہوں۔ میرا جسم بھی آرام مانگتا ہے۔ مجھے بھی نیند سنانی ہے لیکن میرے مالک کو مجھ پر ذرا بھی ترس نہیں آتا۔ کیا میرے مقدر میں ساری عمر اس طرح رو رو کے زندگی گزارنا لکھا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے مالک سے کہہ کر مشقت تو کم نہیں کروا سکتا کیوں کہ وہ میری بات نہیں مانے گا، ہاں میں تمہاری تھوڑی مدد کر سکتا ہوں کہ تم سو جاؤ اور میں تمہاری جگہ چکی پیٹا رہوں۔ وہ غلام بہت خوش ہوا اور شکر یہ ادا کر کے سو گیا اور آپ ﷺ اس کی جگہ چکی پیستے رہے۔ جب گندم ختم ہو گئی تو آپ ﷺ اسے جگائے بغیر واپس تشریف لے آئے۔ دوسرے دن بھی آپ ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور اس غلام کو سلا کر اس کی جگہ چکی پیستے رہے۔ تیسرے دن بھی یہی ماجرا ہوا کہ آپ ﷺ اس غلام کی جگہ ساری رات چکی پیستے اور صبح کو خاموشی سے اپنے گھر تشریف لے آئے۔

چوتھی رات آپ ﷺ جب وہاں گئے تو اس غلام نے کہا۔ ”اے اللہ کے بندے! آپ کون ہیں اور میرا اتنا خیال کیوں کر رہے ہیں؟ ہم غلاموں سے نہ کسی کو کوئی ڈر ہوتا ہے اور نہ کوئی فائدہ تو آپ یہ سب کچھ کس لیے کر رہے ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں یہ سب انسانی ہمدردی کے تحت کر رہا ہوں اور اس کے علاوہ مجھے تم سے کوئی غرض نہیں۔ اس غلام نے کہا کہ آپ کون ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں علم ہے کہ مکہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس غلام نے کہا۔ ”ہاں! میں نے سنا ہے کہ ایک شخص جس کا نام محمد ہے، اپنے آپ کو اللہ کا نبی کہتا ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں وہی محمد ہوں۔ یہ سن کر اس غلام نے کہا کہ اگر آپ نبی وہ نبی ہیں تو مجھے اپنا کلمہ پڑھائیے کیوں کہ اتنا شفیق اور مہربان کوئی نبی ہی ہو سکتا ہے جو غلاموں کا بھی اس قدر خیال رکھے۔ آپ ﷺ نے انہیں کلمہ پڑھا کر مسلمان کر دیا۔

پھر دنیا نے دیکھا کہ اس غلام نے تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کیں لیکن دامنِ مصطفیٰ نہ چھوڑا۔ انہیں جان دینا تو گوارا تھا لیکن اتنے شفیق اور مہربان نبی کا ساتھ چھوڑنا گوارہ نہ تھا۔ آج دنیا انہیں بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے جانتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ہمدردی اور محبت نے انہیں آپ ﷺ کا بے لوث غلام بنا کر دینی دنیا تک مثال بنا دیا۔

جیل کے ساتھ کوپن چسپان کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 اکتوبر 2014ء ہے۔

نام: _____
مقام: _____
مکمل پتا: _____
موبائل نمبر: _____

جیل کے ساتھ کوپن چسپان کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 اکتوبر 2014ء ہے۔

نام: _____
شہر: _____
مکمل پتا: _____
موبائل نمبر: _____

میری زندگی کے مقاصد

کوپن پر کرنا اور پاسپورٹ سائز رنگین تصویر بھیجنا ضروری ہے۔

نام: _____
شہر: _____
مقام: _____
موبائل نمبر: _____

اکتوبر کا موضوع ”ہنری فروش“ ارسال کرنے کی آخری تاریخ 08 اکتوبر 2014ء ہے۔

ہونہار مصور

نام: _____
عمر: _____
مکمل پتا: _____
موبائل نمبر: _____



ٹ	پ	چ	م	ق	ی	ف	ش	گ	ط
غ	س	د	ض	ہ	ب	ع	ن	ڈ	ے
ت	ص	ا	ع	ج	ا	ز	ا	ت	ڈ
س	ز	ب	ل	ڑ	ط	گ	ن	ے	ب
ن	ک	ج	ء	ٹ	ص	ح	د	ل	ی
ی	ز	ی	ز	ع	ء	س	ع	ی	ع
م	ف	خ	ا	م	ش	ن	ہ	ض	ش
ذ	ح	ب	ی	ب	خ	ی	ج	ر	پ
ظ	س	د	ن	ظ	ک	ن	و	غ	ہ
ث	ق	ڑ	ف	ج	ا	و	ی	د	س

آپ نے حروف ملا کر دس بچوں کے نام تلاش کرنے ہیں۔ آپ ان ناموں کو دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں، اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر تلاش کر سکتے ہیں۔ آپ کے پاس وقت دس منٹ کا ہے۔ جن ناموں کو آپ نے تلاش کرنا ہے وہ یہ ہیں:

اعجاز، شعیب، عزیز، تسنیم، حسنین، شفیق، مقصود، حبیب، جاوید، عدنان

پہلا دوست: ”میں نے جلتی ہوئی عمارت سے تین لوگوں کو زندہ باہر نکالا مگر اس کے باوجود انہوں نے مجھے بہت مارا۔“

دوسرا دوست: ”وہ کیوں؟“

پہلا دوست: ”وہ اس لیے کہ جنہیں میں نے باہر نکالا تھا، وہ فائر بریگیڈ والے تھے۔“ ☆☆

جج (ملزم سے): ”تمہیں کل صبح پانچ بجے پھانسی دے دی جائے گی۔“ یہ سن کر ملزم ہنسنے لگا۔

جج نے پوچھا: ”تم ہنس کیوں رہے ہو؟“

ملزم: ”جناب میں تو اٹھتا ہی صبح نو بجے ہوں۔“ (افراح اکبر، لاہور)

حامد اپنی شادی پر اُداس تھا۔ کسی نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا۔

”سسرال والوں نے بارات میں کم آدمی بلائے ہیں، پتا نہیں ابا

مجھے لے کر جائیں گے یا نہیں۔“ ☆☆

ایک شاگرد اسکول میں گدھا لے کر آیا۔

اُستاد: ”آپ یہ گدھا کیوں لائے ہو؟“

شاگرد: ”آپ ہی تو کہتے ہیں، میں نے بڑے بڑے گدھوں کو انسان بنایا۔ میں نے سوچا، اس کی بھی زندگی بن جائے گی۔“

(رانا کلیم، بھکر)

ایک تاجر نے دوسرے تاجر سے کہا: ”دیکھو یار..... تمہارا بیٹا میری بوری سے چاول نکال کر تمہاری بوری میں بھر رہا ہے۔“

دوسرا بولا: ”یار وہ تو پاگل ہے۔“

پہلا بولا: ”اگر پاگل ہے تو تمہاری بوری سے نکال کر میری بوری میں کیوں نہیں بھر رہا؟“

دوسرا بولا: ”اب اتنا پاگل بھی نہیں ہے۔“ ☆☆

فوجی افسر (جوان سے): ”تم نے جنگ میں کیا کارنامہ انجام دیا؟“

فوجی جوان: ”جناب! میں نے دشمن کا پاؤں کاٹ دیا۔“

فوجی افسر: ”سر کیوں نہیں کاٹا؟“

فوجی جوان: ”جناب اس کا سر پہلے ہی کٹا ہوا تھا۔“

(صوفیہ عبداللہ، پشاور)

ماں: ”بیٹا! میں نے تمہیں حیدر کے ساتھ کھیلنے سے منع کیا تھا۔

مُرے بچوں کے ساتھ نہیں کھیلنا چاہیے۔“

بیٹا: ”امی! میں کیسا بچہ ہوں؟“

ماں: ”تم بہت اچھے بچے ہو۔“

بیٹا: ”تو حیدر میرے ساتھ کھیل سکتا ہے نا! (عبدالرحمن، راول پنڈی)



ایک شخص نے ریڈیو اسٹیشن فون کیا۔ ”ہیلو جی، ریڈیو اسٹیشن۔“

”جی فرمائیے۔“ آواز آئی۔

وہ شخص بولا: ”کیا میری آواز پورے شہر میں سنی جا رہی ہے؟“

”جی.....“

پہلا شخص: ”جی، میری بہن بھی سن رہی ہوگی؟“

وہ شخص غصے سے بولا: ”یقیناً!“

پہلا شخص: ”بہن اگر آپ میری آواز سن رہی ہیں تو براہ مہربانی موٹر

چلا دو ٹینکی میں پانی ختم ہو گیا ہے۔“ (حافظ، گوجرانوالہ)

گاہک (کھانے کے بعد): ”یہ مجھے کیسی کافی پلا دی ہے جو نشہ ہو

گیا۔ جلدی سے کچھ لاؤ تاکہ نشہ اترے۔“

دُکان دار: ”یہ لیجئے۔“

گاہک: ”یہ کیا ہے؟“

دُکان دار: ”کھانے کا بل۔“

”ایک آدمی کو ڈرپ لگی۔ جب ڈرپ ختم ہوئی تو اس کا بھائی اس

کے پاس کھڑا تھا۔ اس نے اپنے بھائی سے کہا:

”میری ڈرپ ختم ہو گئی ہے۔ سسٹر (نرس) کو بلا کر لاؤ۔“

اس کا بھائی کچھ کچھ انگریزی جانتا تھا، وہ فوراً گیا اور گاؤں سے اپنی

بہن کو لے کر آگیا۔ (کرن فاروق، حیدر فاروق، گوجرانوالہ)

راشد: ”تم نے پیروں میں رسی کیوں باندھی ہے؟“

اسلم: ”خودکشی کرنے کے لیے۔“

راشد: ”مگر خودکشی تو رسی کو گلے میں ڈال کر کرتے ہیں۔“

اسلم: ”پہلے وہیں ڈال کر دیکھی تھی، مگر گھٹن ہونے لگی۔“

(عبداللہ شاہ، دریا خان)

- 5- بوجھو بھیا ایک پہیلی
جب کاٹو تو نئی نویلی
6- کالی کالی کالی
لال لال لال
جدھر جائے ماں
ادھر جائیں بچے
7- لال لال گھوڑا رکھا رہے
کالا گھوڑا بھاگتا جائے

(احقر کامران، لاہور)

- 8- ہر موسم میں ہر فصل میں
رہتا ہے وہ اک شکل میں
کوئی اُبالے کوئی پکائے
جیسے جس کا دل کرے کھائے

(ایمان زہرہ، لاہور)

8-14 8-15 8-16 8-17 8-18 8-19 8-20 8-21 8-22 8-23 8-24 8-25 8-26 8-27 8-28 8-29 8-30 8-31 8-32 8-33 8-34 8-35 8-36 8-37 8-38 8-39 8-40 8-41 8-42 8-43 8-44 8-45 8-46 8-47 8-48 8-49 8-50 8-51 8-52 8-53 8-54 8-55 8-56 8-57 8-58 8-59 8-60 8-61 8-62 8-63 8-64 8-65 8-66 8-67 8-68 8-69 8-70 8-71 8-72 8-73 8-74 8-75 8-76 8-77 8-78 8-79 8-80 8-81 8-82 8-83 8-84 8-85 8-86 8-87 8-88 8-89 8-90 8-91 8-92 8-93 8-94 8-95 8-96 8-97 8-98 8-99 8-100

بوجھو تو جانیں



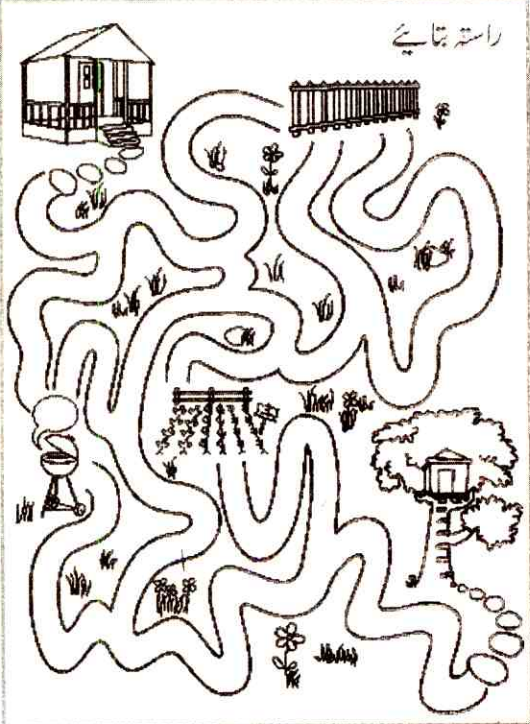
- 1- منہ کھولا کیا شکل بنائی
شکر کیا وہ جب بھی آئی
2- رنگ کالا ہے پر کوا نہیں
کمر پتی ہے مگر ہرن نہیں
درخت پر چڑھ جاتا ہے
لیکن بندر نہیں، بتاؤ وہ کون ہے؟

(عبد اللہ شاہ، دریا خان)

- 3- کبھی ہیں لال کبھی ہیں کالے
ہزاروں بار ہیں دیکھے بھالے
4- اس نے سب کے کام سنوارے
ورنہ ہوتے احمق سارے



نقطے ملائیے اور رنگ بھریے



راستہ بتائیے



احمد عدنان طارق

فطرت کا گیت

ایک لڑکا جس کا نام شہیر تھا، اس کے کان بہت تیز تھے۔ وہ ایسی باتیں بھی سن لیتا تھا جو اسے نہیں سننی چاہیے تھیں۔ اسے بہت بُری عادت تھی کہ وہ لوگوں کی باتوں کی سن گن میں رہتا تھا تاکہ اسے ان کی کوئی کمزوری ہاتھ لگ جائے۔ وہ دروازوں کی آڑ میں کھڑا ہو کر باتیں سنتا جو کہ انتہائی بُری بات تھی۔ کئی دفعہ تو وہ حد ہی کر دیتا۔ سڑک کے نزدیک کسی درخت کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو جاتا اور راہ گیروں کی آوازیں سننے کی کوشش کرتا، تاکہ اس کے ہاتھ کوئی راز کی بات لگ جائے۔ اس کی امی جان اکثر اس کی اس بُری عادت کی وجہ سے اس سے ناراض ہو جاتیں۔ وہ اسے ہر وقت تنبیہ کرتیں کہ وہ اس عادت کو ترک کر دے، ورنہ وہ کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا۔

ایک دن ان کی بات سچ ہو گئی۔ وہ گھر کے قریب ہی ایک جنگل سے گزر رہا تھا۔ اس کے آگے آگے ایک بڑی بی اپنی خیمہ کمر کی وجہ سے جھکی ہوئی آہستہ آہستہ چل رہی تھیں۔ یہ اماں ہوشیار بی بی تھیں جن کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ سارے علاقہ میں سب سے عقل مند خاتون ہیں۔ شہیر نے فوراً اپنے دماغ میں ٹھان لیا کہ وہ اس بات کا سراغ لگائے گا کہ بڑی بی جنگل میں

کدھر جا رہی ہیں؟ ہو سکتا ہے وہ جادو کرنے کے لیے جنگل سے کوئی عجیب و غریب جڑی بوٹی ڈھونڈنے جا رہی ہوں یا انہوں نے جنگل میں کوئی خزانہ دبا یا ہوا ہے اور اسے نکالنے جا رہی ہوں، لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ ان دونوں میں سے کوئی بھی کام کرنے نہیں جا رہی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ اپنے پوئلے منہ میں کوئی گیت گنگناتے ہوئے جا رہی تھیں، یہاں تک کہ وہ جنگل کے درمیان میں بنے ایک چھوٹے سے گھر کے سامنے پہنچ گئیں۔ شہیر حیران رہ گیا، اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی اس طرح جنگل میں بھی رہتا ہو گا۔ بڑی بی نے دروازے پر دستک دی۔ کسی نے اندر سے دروازہ کھولا اور وہ گھر میں داخل ہو گئیں اور پھر دروازہ اندر سے بند ہو گیا۔ شہیر کا دل بچھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ دروازہ اندر سے اسی طرح بند رہا تو وہ باتیں کیسے سنے گا۔ پھر اس نے دیکھا کہ گھر کی ایک کھڑکی کھلی ہے۔ وہ جھکا اور چھپ کر کھڑکی کے نیچے بیٹھ گیا تاکہ پتا چلائے کہ اماں ہوشیار بی بی کس شخص سے کیا باتیں کر رہی ہیں جو اتنا بہادر ہے کہ بھرے جنگل میں اکیلا رہتا ہے۔ اس نے کھڑکی کے نیچے بیٹھے بیٹھے اپنے کان اندر ہونے والی گفتگو پر مرکوز کر لیے۔ اندر بڑی بی اپنی سہیلی مہتاب بی بی سے

ایک لڑکا جس کا نام شہیر تھا، اس کے کان بہت تیز تھے۔ وہ ایسی باتیں بھی سن لیتا تھا جو اسے نہیں سننی چاہیے تھیں۔ اسے بہت بُری عادت تھی کہ وہ لوگوں کی باتوں کی سن گن میں رہتا تھا تاکہ اسے ان کی کوئی کمزوری ہاتھ لگ جائے۔ وہ دروازوں کی آڑ میں کھڑا ہو کر باتیں سنتا جو کہ انتہائی بُری بات تھی۔ کئی دفعہ تو وہ حد ہی کر دیتا۔ سڑک کے نزدیک کسی درخت کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو جاتا اور راہ گیروں کی آوازیں سننے کی کوشش کرتا، تاکہ اس کے ہاتھ کوئی راز کی بات لگ جائے۔ اس کی امی جان اکثر اس کی اس بُری عادت کی وجہ سے اس سے ناراض ہو جاتیں۔ وہ اسے ہر وقت تنبیہ کرتیں کہ وہ اس عادت کو ترک کر دے، ورنہ وہ کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا۔

باتیں کر رہی تھیں۔ اس کا حال چال پوچھنے کے بعد بڑی بی اسے بتا رہی تھیں کہ وہ اس کے لیے دوائی اور کچھ گھر کا بنا ہوا مکھن ساتھ لائی ہیں۔ بیمار سہیلی نے بڑی بی سے چائے پینے کی فرمائش کی اور اسے بتایا کہ کیتلی چولہے پر ہے جس میں پانی گرم ہو رہا ہے۔ بڑی بی نے کیتلی میں سے کچھ گرم پانی چائے دانی میت ڈالا اور باقی پانی کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ وہ ابھی پانی میں پتی ڈالنے ہی والی تھیں کہ کھڑکی کے باہر اسے شہیر کی چیخ کی آواز سنائی دی جس پر انہوں نے اُبلتا ہوا پانی ڈال دیا تھا۔ بڑی بی پریشان ہو گئیں۔ وہ بڑبڑائیں یہ کیسی آواز تھی؟ انہوں نے کھڑکی سے باہر نظر دوڑائی تو انہیں شہیر نظر آ گیا جو ایک رومال سے اپنی گردن اور چہرے کو صاف کر رہا تھا اور اس لمحے کو کوس رہا تھا جب وہ اپنی چیخ کو روک نہیں سکا تھا۔ بڑی بی کو غصہ آ گیا۔ وہ چلائیں تو یہ تم ہو؟ وہ شہیر کی کمزوری سے بخوبی واقف تھیں۔ کہنے لگیں کہ میں تو صرف اپنی بیمار سہیلی کی تیمارداری کے لیے آئی تھی۔ کسی خفیہ مشن پر نہیں مگر تم بہت بُرے لڑکے ہو۔ اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے شرمندگی میں بھاگ نکلتا، بڑی بی کے استخوانی ہاتھ نے اسے کان سے دبوچ لیا اور اسے کھینچنا شروع کر دیا۔ پھر اس کے دوسرے کان کی باری آئی۔ اسے بھی بڑی بی نے زور سے کھینچا۔ اُدھر شہیر درد سے چیخ رہا تھا اور زور لگا رہا تھا کہ بڑی بی کی گرفت سے چھوٹے اور یہاں سے بھاگ جائے۔ اُدھر بڑی بی نے بدبانا شروع کر دیا۔

جتنا زور سے چیخو گے
اپنے کان لمبے کر لو گے

شہیر نے اپنے دکھتے کانوں کو سہلایا تو اسے ایسے محسوس ہوا جیسے اس کے کان بڑی بی کے کھینچنے سے لمبے اور غیر متوازن ہو گئے ہیں۔ وہ تیر کی طرح گھر کو بھاگا اور وہاں پہنچ کر سیدھا اپنے کمرے کے غسل خانے میں گیا۔ جیسے ہی اس نے شیشے میں بھاٹکا تو ایک المناک حقیقت اس کے سامنے تھی۔ اس کے کان اتنے لمبے ہو چکے تھے جیسے کسی چھوٹے خرگوش کے۔ وہ کسی خود رو پودے کی طرح اس کے سر سے بلند تھے اور پھر کسی خرگوش کی طرح آگے سے نیچے کی طرف گرے ہوئے تھے۔ شہیر اس حلیہ سے کسی اور ہی دنیا کی مخلوق لگ رہا تھا۔ وہ بے چارہ حیران و پریشان سوچ رہا تھا کہ اب کیا

کرے؟ اُدھر نیچے سے اس کی امی جان نے اسے کھانے پر بلانا شروع کر دیا۔ شہیر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بار بار بلانے پر بھی وہ امی جان کو جواب نہ دے سکا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور وہ دونوں ہاتھوں سے انہیں پونچھ رہا تھا۔ آخر کوئی جواب نہ پا کر امی جان خود ہی اوپر گئیں۔ انہوں نے دروازہ کھولا۔ شہیر کو دیکھا اور سشدر رہ گئیں۔ وہ سمجھیں شاید شہیر نے کوئی ربڑ سے بنے کان شرارت سے پہن رکھے ہیں۔ وہ آگے بڑھیں اور زور سے شہیر کے کان کھینچ کر علیحدہ کرنے کی کوشش کرنے لگیں، مگر جلد ہی انہیں اندازہ ہو گیا کہ یہ تو اصلی ہیں۔ شہیر نے اپنی امی جان کو سارا واقعہ سنایا تو وہ روہنسی ہو کر بولیں کہ بیٹا میں نے تو تمہیں پہلے ہی خبردار کیا تھا کہ تم اپنی اس گندی عادت کی وجہ سے کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ اب بتاؤ تم کیا کرو گے؟

شہیر نے امی سے کہا کہ وہ سر پر ٹوپی پہنے گا۔ مہربانی فرما کر وہ استاد سے اس کی اجازت لے دیں، ورنہ اسکول میں مجھے کوئی ٹوپی پہننے نہیں دے گا۔ اگلی صبح کلاس میں شہیر سر پر بڑی سی ٹوپی پہن کر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں اس کی امی جان کی طرف سے اسے ٹوپی پہننے کی اجازت کے بارے میں درخواست تھی جو اس کے کلاس ٹیچر نے مان لی۔ باقی بچے البتہ اس کے حلیہ پر ہنستے رہے۔ تفریح کے وقت سارے بچے کلاس سے باہر کھیلنے گئے تو اس نے دیکھا کہ اس کے دو ہم جماعت ایک کونے میں کھڑے کوئی بات کر رہے ہیں۔ شہیر اپنی عادت کے مطابق ان کے نزدیک گیا تاکہ ان کی باتیں سنے۔ جیسے ہی اس نے کوشش شروع کی، اس کے سر سے ٹوپی یوں زمین پر گر گئی جیسے کسی نے ہاتھ سے اسے نیچے گرا دیا ہو۔ شہیر نے بے اختیار اپنا ہاتھ سر پر پھیرا تو اس کی خوف سے چیخ نکل گئی۔ اس کے کان اب پہلے سے دو گنے لمبے ہو چکے تھے۔ دوسرے بچے بھاگ کر اس کے پاس آ گئے اور اشارے کر کے ایک دوسرے کو اس کے کانوں کے بارے میں بتانے لگے۔ وہ اس کے کانوں کو گدھے کے کان کہہ رہے تھے اور شہیر کا مذاق اڑا رہے تھے۔ شہیر روتا ہوا گھر بھاگ گیا اس کی امی جان بھی خوف زدہ تھیں۔ وہ اسے فوراً اماں ہوشیار بی بی کے گھر لے گئیں اور ان سے درخواست کی کہ وہ کان ٹھیک کر دیں لیکن بڑی بی نے کہا کہ وہ خود

کہتی ہے؟ انہوں نے شبیر کو کہا کہ وہ بلبل کا پیغام لکھ کر لائے۔
شبیر نے حکم کی تعمیل کے لیے جنگل کا رخ کیا۔ وہ دل میں شرمندہ
بھی تھا۔ اگرچہ وہ بلبل کو پہلے دیکھ چکا تھا لیکن اس نے بلبل کا
خوب صورت گیت سننے کی کبھی زحمت ہی نہیں کی تھی۔ بلبل ایک
درخت پر بیٹھا گا رہا تھا۔ پہلے تو شبیر کو معلوم نہیں ہوا کہ وہ کیا گا
رہا ہے۔ وہ ٹھنڈی ٹھنڈی گھاس پر بیٹھ گیا اور غور سے بلبل کا گانا
سننے لگا۔ بلبل آسمان اور سورج کی تعریف کر رہا تھا۔ بلبل کی نظر
شبیر پر پڑی تو اس نے گانے میں شبیر کے کانوں کا بھی ذکر کر
دیا۔ شبیر شرمندہ ہو گیا۔ پھر بھی وہ سنتا رہا۔ اسے گانے کو سن کر
ایک تمازت سی محسوس ہوئی۔ اس نے خالہ صرصر کو گانا لکھ کر دیا اور
کہنے لگا کہ خالہ بلبل تو بہت خوب صورت گاتا ہے۔ خالہ نے
چیرانی سے پوچھا کہ وہ یہ بات پہلے نہیں جانتا تھا، تمہارے کان
پہلے کیا کر رہے تھے؟ دن گزرتے رہے۔

ایک دن خالہ نے اسے ایک بہتے جھرنے کا گیت لکھنے کے لیے
بھیجا۔ اس نے کھانا کھایا اور گھر سے چل پڑا کیوں کہ جھرنہ کافی دُور
تھا۔ وہاں پہنچ کر وہ شفاف جھرنے کے قریب بیٹھ گیا اور پانی گرنے

ان کانوں کو ٹھیک نہیں کر سکتیں۔ یہ کام صرف ان کی خالہ کی بیٹی
صرصر بیگم کر سکتی ہیں جو جنگل سے گزر کر ایک پہاڑی پر رہتی ہیں
اور اس کام کے لیے شبیر کو اکیلے جانا ہوگا۔ شبیر اکیلے جانا نہیں
چاہتا تھا مگر اسے جانا ہی پڑا۔ اس نے امی جان کو خدا حافظ کہا اور
خالہ صرصر کے گھر کی طرف چل پڑا۔ خالہ بھی گویا شبیر ہی کا انتظار
کر رہی تھیں۔ وہ بڑی چمکیلی اور کھٹیلی آنکھوں والی خالہ تھیں۔ انہوں
نے تیز نگاہوں سے شبیر کا استقبال کیا اور دونوں ہاتھوں سے شبیر
کے کانوں کو سہلایا اور کہنے لگیں کہ میں نے کسی لڑکے کے اتنے
لمبے کان نہیں دیکھے لیکن یہ میرے لیے بڑے سازگار ثابت ہوں
گے۔ ”وہ کس طرح؟“ شبیر نے پوچھا تو خالہ نے کہا کہ وہ اونچا
بولے کیوں کہ خالہ بہت کم سنتی تھیں اور تقریباً بھری تھیں۔

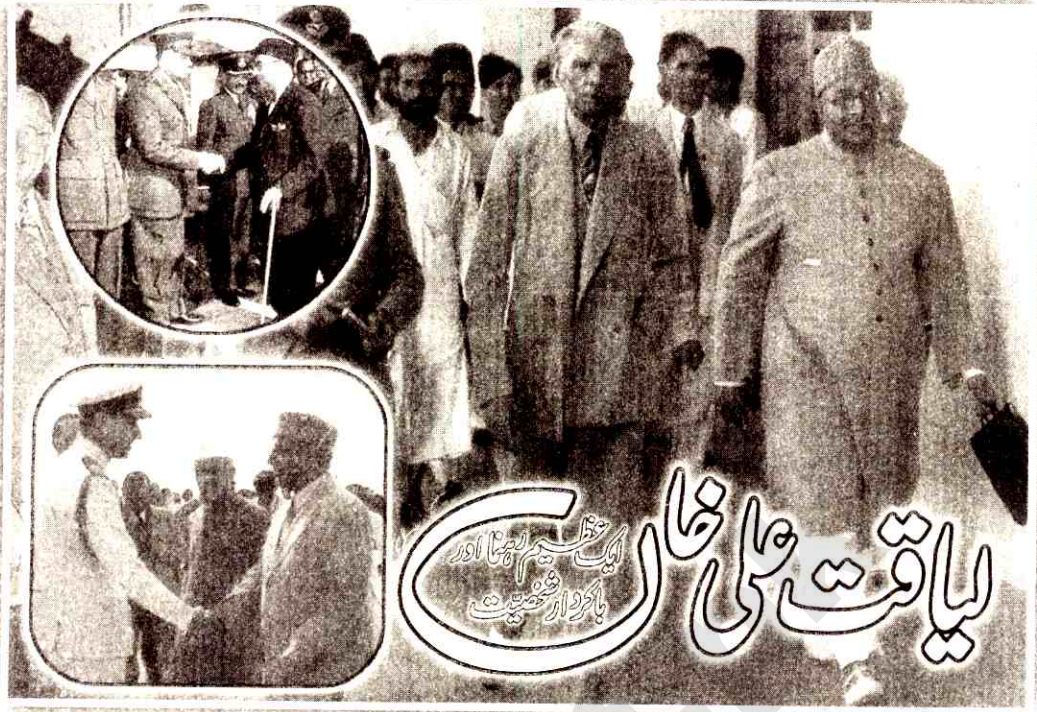
شبیر کو ان سے بات کرتے وقت چیخا پڑا۔ وہ بہت مصروف
رہتی تھیں۔ انہوں نے شبیر کو اپنے کانوں کی جگہ استعمال کرنا
شروع کر دیا۔ خالہ جو بھی سننا چاہتیں، ایک طرح شبیر کے ذریعے
ہی سے سنتیں۔ ایک صبح انہوں نے شبیر سے کہا کہ وہ جنگل میں
جائے اور بلبل کا گیت سننے اور بتائے کہ وہ اپنے گیتوں میں کیا



جانور کے کراہنے کی آواز آئی۔ اس نے سویٹر پہنا اور باہر بھاگا۔ خالہ اسے روکتی رہ گئیں۔ اس نے خالہ کو بتایا کہ کسی جانور کے کراہنے کی آواز آرہی ہے۔ وہ بھاگ رہا تھا اور چاند بھی اپنی روشنی سے ان کی راہنمائی کر رہا تھا۔ اس نے ایک خرگوش کو دیکھا جس کا پاؤں زخمی تھا اور وہ درد سے چیخ رہا تھا۔ اس نے اسے پیار سے اٹھا کر اپنے سویٹر میں کر لیا۔ گھر آ کر اس نے خرگوش کے زخم کو دھویا اور اس کی مرہم پٹی کی۔ خرگوش اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں تشکر کے جذبات لیے اسے دیکھتا رہا۔ شبیر نے خالہ کو بتایا کہ وہ پہلے ایسی آوازوں پر غور نہیں کرتا رہا، حالانکہ یہ آوازیں اسے پہلے بھی سنائی دیتی رہی ہیں۔ خالہ نے کہا کہ اب تم اچھے بچے بن گئے ہو اور تم نے کانوں سے صحیح کام لینا شروع کر دیا ہے اور مجھے امید ہے کہ اب تم لوگوں کی باتوں کو بلاوجہ سننے کی کوشش نہیں کرو گے۔ شبیر نے خالہ سے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ لوگوں کی باتوں میں بلاوجہ دخل نہیں دے گا۔ خالہ نے کہا کہ ٹھیک ہے، اب میں تمہارے لیے کان اس خرگوش کو دے دیتی ہوں۔ انہوں نے شبیر کے دونوں کانوں پر ہاتھ پھیرا۔ منہ ہی منہ میں کچھ بدبایا اور پھر بڑے پیار سے دونوں کان شبیر کے سر سے اُتار لیے۔ نیچے سے شبیر کے اپنے کان چہرے کے ساتھ لگے رہ گئے۔ انہوں نے خرگوش کے چھوٹے کانوں پر یہ بڑے کان ثبت کر دیے اور خرگوش کو دعا دی کہ وہ اب دشمنوں کے قدموں کی چاپ جلدی سن سکے گا اور انہیں صحیح استعمال کر کے خطرے سے دور رہے گا۔ خرگوش آستنی سے لگڑاتا ہوا گھر سے باہر چلا گیا۔ شبیر نے آئینے میں خود کو دیکھا اور خوشی سے پھولا نہ سہا۔ ”شبیر بیٹا! کانوں کو فطرت کی خوب صورت آوازیں سننے کے لیے استعمال کرو اور مصیبت میں لوگوں کی مجبور آوازیں سنا کرو لیکن ایسے راز سننے کی کوشش نہ کرو جن سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں۔“ شبیر نے اگلے دن خالہ کو خدا حافظ کہا اور گھر واپس آ گیا۔ اس کی اسی جان اسے ٹھیک دیکھ کر بہت خوش تھیں۔ انہوں نے کانوں کے بارے میں شبیر سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ اب اس کے کان صرف اچھی چیزیں سن سکتے ہیں۔ بُری نہیں اور ان شاء اللہ اب میرے کان لمبے بھی نہیں ہوں گے اور واقعی بچو! آپ کو یہ سن کر خوش ہوگی کہ پھر کبھی دوبارہ اس کے کان لمبے نہیں ہوئے۔ ☆☆

کی مترنم آواز سننے لگا۔ اس نے غور سے سنا تو اس کی روح تک خوشی سے لبریز ہو گئی۔ کون جانتا تھا کہ جھرنے بھی گاتے ہیں؟ پھر اس نے خالہ صرصر کی دی ہوئی بانسری نکالی اور جھرنے کے ترنم کے ساتھ بجانے لگا۔ ساری دوپہر شبیر نے محنت سے جھرنے کے ساتھ ایک دھن بنائی اور پھر خوشی خوشی خالہ کے گھر پہنچا اور پھر اونچی آواز سے بہری خالہ کو سنائی، وہ مسکرائیں۔ شبیر نے جھرنے کے گیت کی تعریف کی تو وہ کہنے لگیں۔ ”تم نے پہلی دفعہ سنا ہے کیوں کہ ابھی تک تم وہ باتیں سنتے تھے جو تمہیں نہیں سننی چاہئیں تھیں۔“ اسی طرح کچھ دنوں کے بعد خالہ نے شبیر کو اپنا کوٹ پہننے کو دیا کیوں کہ وہ بہت تند و تیز تھی اور اسے جنگل میں بھیجا کہ جاؤ اور پتا کرو کہ جنگل کے درختوں کے پاس میرے لیے کیا پیغام ہے؟ سردی ہو رہی تھی۔ شبیر جنگل میں ایک گھٹی جھاڑی میں دبک کر بیٹھ گیا اور غور سے درختوں میں ہونے والی سرسراہٹ سننے لگا۔ پتے کھڑکھڑاتے ہوئے ایک لے بنا رہے تھے۔ کون سوچ سکتا تھا کہ جنگل بھی سرگوشی کر سکتا ہے۔ وہ غور سے سنتا رہا اور پتوں میں ہوا کی سرسراہٹ اور درختوں کی سرگوشیوں سے اس نے ایک گیت بنایا اور پھر خالہ کو سنایا اور خالہ سے کہا کہ اسے معلوم نہیں تھا کہ ہوا بھی گیت سناتی ہے۔ خالہ نے بتایا کہ خدا نے انسان کے کان اس لیے بنائے ہیں تاکہ ان سے اچھے کام لیے جاسکیں۔ پھر انہوں نے شبیر کو کہا کہ وہ رات کو باغیچے میں بیٹھے اور اندھیرے میں جانچے کہ کیا ہوتا ہے؟ شبیر نے حکم مانا اور رات کو باغیچے میں پڑے ایک بچ پر بیٹھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ رات کو میں کوئی آواز نہیں سن سکتا۔ پھر اس نے الوؤں کی ہوسنی جو شانہ ایک دوسرے کو بلا رہے تھے۔ چاند بھی بادلوں کے پیچھے سے نکل آیا۔ چھوٹی چھوٹی چمکادڑیں ہوا میں اُڑ رہی تھیں۔ شبیر ان کے پردوں کی پھڑپھڑاہٹ سن سکتا تھا۔ جھینگروں کی آوازوں سے ایک علیحدہ موسیقی پیدا ہو رہی تھی۔ ہوا بھی درختوں میں سے گزر کر سرسراہٹ پیدا کر رہی تھی۔ ایک بلبل پھر اپنا راگ الاپنے لگا۔ شبیر بہوت ہو کر باغیچے میں بیٹھا رہا۔ آخر خالہ کو اسے اندر لانا پڑا۔ اس نے خالہ سے گلہ کیا کہ وہ ابھی باغیچے میں رہنا چاہتا تھا۔ اس نے خالہ کو بتایا کہ بلبل کا گیت اسے پریوں کا گیت لگ رہا تھا لیکن خالہ نے اسے سلا دیا۔

اس سے اگلی رات جب شبیر سونے لگا تو دُور سے اسے کسی



لیاقت علی خان

ایک متحکم رہنما اور
باکردار شخصیت

ہوں کہ انہیں ہندوستان کے تمام مسلمانوں کا اعتماد حاصل ہے۔“ لیاقت علی خان ایک محب وطن لیڈر تھے بلکہ عوام کے لیے ان کے دل میں ہمدردی اور خلوص بھی تھا۔ وہ عوام کے مسائل سے آگاہ رہا کرتے تھے۔ معروف دانش ور ڈاکٹر نظر کامرائی ایک واقعہ تحریر کرتے ہیں کہ: یہ ان دنوں کی بات ہے جب شہید ملت وزارت عظمیٰ کے عہدے پر فائز تھے۔ یوسف ہارون آسٹریلیا میں پاکستان کے ہائی کمشنر تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ موسم سرما میں وہ اپنے ڈریسنگ روم میں بیٹھ کر رہے تھے۔ اس کمرے میں سردی بھی آ رہی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کو سردی لگ جائے گی۔ لیاقت علی نے جواب دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ میرے پاس ایک چھپر تو ہے۔ ایسے بھی ہزاروں خدا کے بندے موجود ہیں جن کو یہ بھی میسر نہیں۔ آرام کی جتنی عادت ڈالو، اتنی پڑ جاتی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اپنی ضروریات کو بے حد محدود کر لیا جائے۔

وزارت عظمیٰ کا منصب سنبھالنے کے بعد وہ عموماً جمعہ کی نماز کراچی کی مختلف مسجدوں میں ادا کرتے تھے۔ ایک بار وہ کبھڑی کی مسجد میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے گئے۔ مسجد نمازیوں سے بھر چکی تھی۔ چنانچہ لیاقت علی خان خاموشی سے آخری صف میں

شہید ملت لیاقت علی خان پاکستان کے پہلے وزیراعظم تھے۔ آپ یکم اکتوبر 1895ء کو پیدا ہوئے۔ 1918ء میں ایم اے او کالج سے بی اے کیا۔ گریجویشن کے بعد انڈین سول سروس سے ملازمت کی پیش کش ہوئی لیکن آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں قوم کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔

1921ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ 1923ء میں وطن آکر اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا اور 1924ء میں باقاعدہ مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔ 1940ء میں مسلم لیگ میں آپ کو پارلیمانی پارٹی کا ڈپٹی لیڈر بنایا گیا۔

لیاقت علی خان ایک با اصول، بے دار مغز اور ایمان دار راہ نما اور سیاست دان تھے۔ انہوں نے قائداعظم کے شانہ بشانہ قوم کی تنظیم کی اور سیاسی تشخص کی تعمیر میں اہم کردار ادا کیا۔

لیاقت علی خان، قائداعظم کے با اعتماد ساتھی تھے۔ ایک موقع پر قائداعظم نے فرمایا: ”لیاقت علی خان میرے دست راست ہیں جو تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کے لیے دن رات کام کرتے ہیں۔ یہ حقیقت شاید چند افراد کو معلوم ہے کہ انہوں نے مسلم لیگ کا کتنا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھا رکھا ہے۔ یہ بات میں پورے وثوق سے کہہ سکتا

بقول آغا عبدالحمید، لیاقت علی خان کو سب سے زیادہ نفرت سفارش سے تھی۔ لیاقت علی خان کو بحیثیت وزیراعظم مرکزی حکومت کی تمام اعلیٰ تقریروں کی خود منظوری دینا پڑتی تھی۔ میرے تقرر کے چند ہفتے بعد میں نے ایک کیس ان کے سامنے پیش کیا۔ ایک صاحب جو قاعدت کے پچیس سالہ پُرانے دوست تھے، انہوں نے ایک امیدوار کے لیے سفارشی خط بھجوایا۔ میں نے اپنا فرض جانا کہ وہ خط لیاقت علی خان کے سامنے پیش کروں۔ خط دیکھتے ہی انہوں نے عجیب نظروں سے میری جانب دیکھا اور بلند آواز میں مجھ سے پوچھا۔ ”اس خط کا کیا کروں؟“ میں بہت گھبرایا، انہوں نے سفارشی خط کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ چند دن بعد ایک اور اسی قسم کا خط مجھے ملا تو جونہی میں نے ان کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے اس بار دو ٹوک الفاظ میں اپنا فیصلہ سنا دیا کہ ”آئندہ میں سفارشی خطوط نہ دیکھوں۔“

لیاقت علی خان نے بطور وزیراعظم ایک غریب آدمی کا طرز زندگی اپنایا۔ گھر میں سادہ کپڑے پہنتے، حتیٰ کہ بعض اوقات پھٹے کپڑے بھی پہن لیتے۔ امور مملکت کے دوران کھانے پینے کا ہوش نہ رہتا۔ لیاقت علی خان نے اپنی ساری زندگی قوم کے لیے وقف کر دی، حتیٰ کہ اپنی ساری جائیداد بھی قوم کے لیے قربان کی۔ لیاقت علی خان نے ہندوستان میں اپنی وسیع و عریض جائیداد چھوڑی اور اس کے بدلے میں حکومت پاکستان سے کچھ نہ مانگا۔ ہندوستان کا نواب، پاکستان بننے کے بعد پاکستان کا ایک غریب وزیراعظم تھا۔ شہادت کے وقت ان کے جسم پر جو کپڑے تھے اس پر بیوند لگے ہوئے تھے۔ ان کے پاس استعمال کے کپڑے بہت کم تھے۔ مسلسل دھلنے کے بعد جب قمیص کا کارپٹ جاتا تو اسی قمیص سے کپڑا نکال کر صحیح کر لیا جاتا۔

پیارے بچو! پاکستان کا حصول ایسے لوگوں کی قربانیوں سے حاصل ہوا ہے جن کے جذبے اور لگن سچی تھی۔ لیاقت علی خان بھی ان عظیم لوگوں کی فہرست میں شامل ہیں۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے اسلاف کی قربانیوں، ان کے طرز زندگی اور خلوص کی پیروی کریں کیوں کہ محبت وطن لیڈر ہی پیارے وطن پاکستان کو دنیا کی عظیم طاقت بنا سکتے ہیں۔ ☆☆☆

کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے کوشش کی کہ انہیں اگلی صف میں جگہ دیں، مگر انہوں نے منظور نہ کیا اور وہیں ایک ضعیف نمازی کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے اس غریب کو ہٹانے کی کوشش کی تو آپ ناراض ہوئے اور کہا: ”خدا کے گھر میں وزیراعظم پاکستان اور ایک غریب مسلمان سب برابر ہیں۔“

نہیں زادہ ہونے کے باوجود وہ خود کو عوام کا خادم سمجھتے تھے۔ جب آپ شہید ہوئے تو شیروانی کے نیچے پھٹی بنیان اور جیب میں چند روپے تھے اور ان کے بنک اکاؤنٹ میں بھی رقم برائے نام تھی۔ وطن سے محبت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وزیراعظم بننے کے بعد کراچی میں رہائش کے لیے جو جگہ دی گئی، وہ کسی بھی طرح وزیراعظم کے شایان شان نہیں تھی مگر انہوں نے صبر شکر کے ساتھ اسے قبول کیا۔ یہ وہی لیاقت علی خان تھے جو دہلی میں اپنی کوٹھی ”گل رعنا“ میں رہتے تھے، جو کسی محل سے کم نہ تھی مگر پاکستان میں وہ سب مہاجروں کے ساتھ ایک غریب آدمی کی طرح رہ رہے تھے۔

ایک بار چھت ٹپکی تو بیگم رعنا نے کہا کہ وزیراعظم پاکستان کو بھی کیسا گھر ملا ہے جس کی چھت ٹپکتی ہے۔ آپ کوئی اچھا سا بندوبست کیوں نہیں کر لیتے تو قاعدت نے جواب دیا۔ ”شکر کرو کہ گھر تو ہے، بہت سے مہاجروں کو تو یہ سہولت بھی میسر نہیں۔“

یوسف ہارون کو ان کی قربت کا موقع زیادہ ملا۔ وہ بتاتے ہیں کہ جب بھی مجھے کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو میں مرحوم کا بزرگانہ مشورہ حاصل کرنے کے لیے ان کی خدمت میں پہنچتا اور ہمیشہ فیض یاب ہوتا۔ جب میں صوبہ سندھ کا وزیراعلیٰ بنا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا: ”تمہیں اپنے زمانہ اقتدار میں بہت سے ایسے لوگوں سے واسطہ پڑے گا جو تم سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔ اس موقع پر تم انصاف کو کبھی بھی ہاتھ سے نہ جانے دینا اور ملک کا نقصان کر کے کسی کا ذاتی فائدہ ہرگز نہ کرنا۔ ہاں اگر انصاف کا خون کیے بغیر تم کسی کا فائدہ کر سکتے ہو تو مضائقہ نہیں۔ اپنے ضمیر اور خدا کے سامنے سچے رہنا اور کسی ایک کو ناراض کر کے دوسرے کی خوشی مت خریدنا۔ تمہیں حکومت کے اختیارات ملے ہیں تو خوف خدا کو ہمیشہ اپنا رہبر بنانا اور قانون کی راہ میں روڑے مت اٹکانا۔“



میری زندگی کے مقاصد



علیان، کراچی
میں حافظہ قرآن بن کر دینی اسلام
کی خدمت کروں گا۔



محمد اسیم، حیدرآباد
میں بڑا ہو کر فوجی افسر بنوں گا اور
پاکستان کی خدمت کروں گا۔



مریم فیاض، گلگت و مٹلی
میں فوج میں جا کر ملک و قوم کی
خدمت کروں گی۔



فراسٹ، کراچی
میں فوجی بن کر ملک و قوم کی
حفاظت کروں گا۔



محمد خرم خور، کراچی
میں سیاست دان بن کر ملک کی
تقدیر بدل دوں گا۔



سیدہ سائرہ، اسلام آباد
میری زندگی کا مقصد دوسروں کے
کام آنا ہے۔



رشدا فاطمہ، لاہور
میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے
والدین کا نام روشن کروں گی۔



فاطمہ اعجاز، اسلام آباد
میں ڈاکٹر بن کر مریضوں کا علاج
اور خدمت کروں گی۔



سید عارف، کراچی
میں فوجی بن کر وطن کی حفاظت
کروں گا۔



آفاق شفیق، کراچی
میں فاسٹ باؤلر بن کر پاکستان
کا نام روشن کروں گا۔



محمد ساجد، کراچی
میں ایک باادب اور مہذب انسان
بنوں گا۔



عمر شہزاد، حیدرآباد
میں انٹرنیٹ کیلے انجینئر بنوں گا۔



محمد حبیب مسرت، حیدرآباد
میں بڑا ہو کر فوجی افسر بنوں
گا۔



اروج علی، لاہور
میں ڈاکٹر بن کر غریبوں کا مفت
علاج کروں گی۔



ارسلان، کراچی
میں ڈاکٹر بن کر غریبوں کا
مفت علاج کروں گا۔



محمد ایزاز، کراچی
میں دین اسلام کی تعلیمات
ساری دنیا میں پھیلاؤں گا۔



قاسم، کراچی
میں فوجی بن کر وطن کی حفاظت
کروں گا۔



سیدہ صائمہ، لاہور
میں ڈاکٹر بن کر غریبوں کا مفت
علاج کروں گی۔



مقصد خان، کراچی
میں حافظہ قرآن بن کر دین اسلام
کی خدمت کروں گا۔



رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ انبیاء کے ہیں امام
حضرت ابوبکر صدیقؓ اُن کا صحابہ میں اُونچا مقام
حضرت عمر فاروقؓ اُن کی سلطنت کا اعلیٰ مقام
کاتب قرآن خلیفہ سوم عثمان غنیؓ ہے اُن کا نام
حضرت علیؓ اللہ کے شیر اور نبیؐ کے ہیں غلام
پڑھو حضور پر درود سلام پڑھو صبح و شام
اسد اللہ میرا نام نظمیں لکھنا میرا کام
(اسد اللہ ناصر، بہاول پور)

برادر دوست

برادر دوست کو نکلے کی طرح ہوتا ہے۔ جب گرم ہوتا ہے تو ہاتھ
جلادیتا ہے اور جب ٹھنڈا ہو جاتا ہے تو ہاتھ کالے کر دیتا ہے۔

بدترین قاتل

زندگی میں تین بدترین قاتل ہیں۔ زیادہ سوچنا خوشی کو مار دیتا
ہے۔ عدم تحفظ کا احساس ہمت کو ختم کر دیتا ہے اور جھوٹ اعتماد کو کھا
جاتا ہے۔ (سید شہریار، لاہور)

حضرت لقمانؑ کو دانائی ملنے کا سبب

حضرت عمرو بن قیسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت لقمانؑ ایک روز
ایک مجلس میں لوگوں کو حکمت و دانائی کی باتیں سنارہے تھے کہ ایک
شخص آیا اور کہنے لگا۔ ”کیا تم وہی نہیں ہو جو میرے ساتھ فلاں
جنگل میں بکریاں چرایا کرتے تھے؟“ آپ نے فرمایا کہ ”ہاں! میں
وہی ہوں۔“ اس نے کہا۔ ”پھر تم کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا کہ مخلوق
تمہاری تعظیم کرتی ہے اور تمہارے کلمات حکمت سننے کے لیے دُور
دُور سے جمع ہوتی ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”اس کی وجہ میرے دو کام
ہیں۔ ہمیشہ سچ بولنا۔ فضول باتوں سے اجتناب کرنا۔“

قیمتی موتی

خاموشی: ایسا درخت ہے جس پر کبھی بھی کڑوا پھل نہیں لگتا۔

حسد: ایسی دیمک ہے جو انسان کو اندر اور باہر سے ختم کرتی ہے۔

علم

ظلمت کی جنگ مناؤ علم کی شمع جلاؤ
علم ہے نادر گہنا دل سے لگائے رہنا
جو بچے پڑھتے ہیں وہ آگے بڑھتے ہیں
علم ہے ایک سمندر سب ہے اس کے اندر
قسمت اس کی جاگے پیچھے جو اس کے بھاگے
علم سے اب ملتا ہے اس سے کون جدا ہے
(مہدی اکبر غوری، بھکر)

گرنا اچھے کام

سن لو میری بات دن ہو کہ رات
صبح ہو یا شام کرنا اچھے کام
کام کے بعد آرام یہ ہے اچھا کام
بات سمجھ میں آئی نفرت میں رسوائی
سب سے کرو بھلائی سب کو کرو سلام
یہ ہے اچھا کام وطن کے سارے بچو
راج دلارے بچو سن لو پیارے بچو
قائد کا پیغام کام کام کام
(محمد حسان، راول پنڈی)

تعلیم و تربیت

چمکتا سورج دمکتا ستارہ تعلیم و تربیت کا ہر شمارہ
ہر بچے کو بہت پیارا تعلیم و تربیت کا ہر شمارہ
اس میں اپنی نظم نہ پا کر دل ہو جائے گا پارہ پارہ
اگلے شمارے میں پلیز اسے جگہ دیجئے خدا را
ان شاء اللہ آئندہ ماہ نظم کے ساتھ حاضر ہوں گے دوبارہ
دعائیں ہیں آپ کے ساتھ ہماری سلام ہو آپ کو ہمارا

چار صحابہؓ

مذہب ہمارا ہے اسلام قرآن اللہ کا ہے کلام

مہمان نوازی

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں، رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جو شخص خدا اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اسے اپنے مہمان کی عزت کرنی چاہیے۔ (بخاری اور مسلم) (نمرہ عبدالحق، لاہور کینٹ)

قیمتی جواہرات

- زیادہ بولنے کا نقصان بھی زیادہ ہوتا ہے۔
- جس میں برداشت کی طاقت ہوگی وہ کبھی شکست نہیں کھائے گا۔
- انسان عمل سے پہچانا جاتا ہے نہ کہ شکل سے۔
- خود کو بدل دو قسمت خود بخود بدل جائے گی۔
- علم کا سمندر عمل کا ایک قطرہ بن جاتا ہے۔ (حدیفہ مرتضیٰ، ایبٹ آباد)

تیری مثال

ایک ضرورت مند ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور امداد چاہی۔ اتفاق سے اس وقت بزرگ کا ہاتھ خالی تھا۔ اس لیے معذرت چاہی لیکن اس شخص کو یقین نہ آیا اور باہر جا کر بزرگ کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اس وقت بزرگ کا ایک مرید ادھر سے گزر رہا تھا۔ اس نے اپنے پیر کی شان میں گستاخی سنی تو فوراً ادھر پہنچا اور اس شخص کی گستاخی کا حال سنایا۔ بزرگ نے فرمایا: ”صل تکلیف تو تم نے پہنچائی ہے وہ جو کچھ کہہ رہا تھا وہ ہمیں معلوم نہ تھا۔ اب تیری مثال ایسی ہے کہ ایک دشمن نے ہماری طرف تیر پھینکا تھا اور وہ ہم تک پہنچنے سے پہلے ہی گر گیا تھا اور تم اب وہ تیر اٹھالائے ہو ہمارے پاس اور ہمارے پہلو میں چبھو رہے ہو۔“ (حدیفہ مرتضیٰ، ایبٹ آباد)

اگر چاہتے ہو

- اگر فتح چاہتے ہو تو حواسِ خمسہ کو فتح کرو۔
- اگر خریدنا چاہتے ہو تو آخرت کا سودا خریدو۔
- اگر جاننا چاہتے ہو تو اللہ کے احکامات کو جانو۔
- اگر پڑھنا چاہتے ہو تو قرآن کو پڑھو۔
- اگر آنا چاہتے ہو تو غریبوں کی مدد کو آؤ۔
- اگر مٹانا چاہتے ہو تو نفرت کو مٹاؤ۔ (سیدہ فاطمہ گیلانی، کوہاٹ)

ذہانت: ایسا پودا ہے جو محنت کے بغیر نہیں لگتا۔

خوش اخلاقی: ایسی خوش بو ہے جو میلوں دُور سے محسوس ہوتی ہے۔

ضمیر: ایسا ساتھی ہے جو ہمیشہ حق کی راہ دکھاتا ہے۔

دعا: ایسا عمل ہے جو تقدیر کو مات دے سکتا ہے۔

توبہ: ایسا دروازہ ہے جو موت کی پگلی تک کھلا رہے گا۔

گناہ: ایسی لعنت ہے جو قلب کو کالا کر دیتی ہے۔ (رشدہ عدنان، کراچی)

پیار سی باتیں

- ہمیشہ سچ بولو، چاہے سچ بولنے سے جان ہی چلی جائے۔
- بے فائدہ اور بے کار کاموں میں نہ لگو۔
- اپنے دشمن سے الگ رہو۔
- قبرستان میں جا کر خشوع اختیار کرو۔
- دوسروں پر بھروسہ کرنے والے کم ہی کامیاب ہوتے ہیں۔
- ایسا اشارہ بھی حرام ہے جس سے کسی کو رنج ہو۔
- موقع کا انتظار نہ کرو بلکہ اپنے لیے خود موقع تلاش کرو۔
- بار بار آ زمانے پر ہی کسی کو آدمی سمجھا جاتا ہے۔
- کسی اجنبی پر اندھا اعتماد کرنا بڑی بے وقوفی ہے۔
- ”ما یوسی“ انسان کی سب سے بڑی دشمن اور خدا کا عذاب ہے۔
- بدتر وہ ہے جس میں حیا کم ہو۔ (عریشہ بنت حبیب الرحمن، کراچی)

کامیاب زندگی

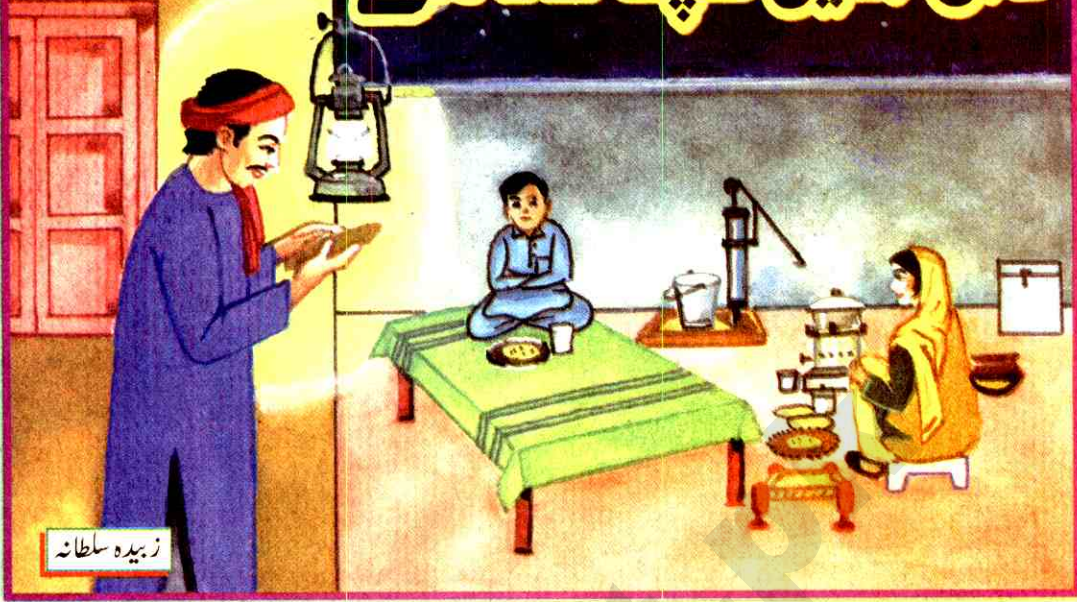
- پاؤں بے شک پھسل جائے مگر زبان کو نہ پھسلنے دو۔
 - آج عمل ہے حساب نہیں لیکن کل حساب ہوگا عمل نہیں۔
 - جھوٹ بول کر جیت جانے سے سچ بول کر ہار جانا بہتر ہے۔
 - خوب صورتی کپڑوں یا شکل سے نہیں بلکہ اچھے اخلاق سے ہوتی ہے۔
- (عثمان حیدر معاویہ، منڈی بہاؤ الدین)

ضیافت

حضرت عمر بن خطابؓ کہتے ہیں، رسول اللہؐ نے فرمایا: ”سب مل کر کھاؤ اور علیحدہ علیحدہ ہو کر نہ کھاؤ کیوں کہ جماعت میں برکت ہوتی ہے۔ (ابن ماجہ)

دال میں کچھ کالا ہے

ضرب المثل کہانی



زبیرہ سلطانہ

لالین کے قریب لے جا کر انگلی سے وہ کالی چیز نکال کر غور سے دیکھی تو وہ کبھی تھی۔ یہ دیکھتے ہی کاشی اور اس کا باپ دونوں ہی اباکیاں کرنے لگے۔ لیموں چسایا، کبھی نمک چٹایا، سیون اپ پلائی، بڑی مشکل سے دونوں کی طبیعت سنبھلی تو کاشی کے ابو نے بیوی پر خفا ہوتے ہوئے کہا: ”اے نیک بخت! جیسے ہی شبہ ہو کہ دال میں کچھ کالا کالا ہے، فوراً اطمینان کر لینا چاہیے کہ وہ کوئی نقصان دینے والی چیز تو نہیں۔“

بچو! ایسے موقع پر جب کسی بات میں شک و شبہ ہو تو لوگ بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں کہ دال میں کچھ کالا ہے۔

کاشی شام کو ٹیوشن پڑھ کر آیا تو ماں سے روٹی کی چنگیر اور دال کی رکابی لے کر برآمدے میں تخت پر آ بیٹھا۔ لالین کی دھندلی روشنی میں اسے دال میں کوئی کالی سی چیز نظر آئی تو اس نے ماں پوچھا: ”امی جی! دال میں کچھ کالا کالا ہے۔“

”ارے کچھ نہیں! پیاز کا بھار بناتے پیاز کا کوئی چھلکا جل گیا ہو گا۔“ ماں نے ڈانٹ کر چپ کرادیا، مگر کاشی مطمئن نہ ہوا۔ ایک دو نوالے بے دلی سے کھائے تو وہ کالی سی چیز، بنسے ماں نے جلا ہوا پیاز بتایا تھا اور کاشی نے اسے انگلی کی پور سے رکابی کے کنارے کر دیا تھا، پھر دال میں تیرتی نظر آئی۔

”امی جی! یہ کیا ہے دال میں کالا سا؟ یہ پیاز نہیں ہے۔“ کاشی نے منہ میں نوالہ بھرے روہانسی آواز میں پکارا۔

”ارے تو پھر کالی مرچ ہوگی، میں نے ثابت گرم مصالحہ ڈالا تھا خوش بو کے لیے۔“ ماں نے جواب دیا۔

”جی نہیں! کالی مرچ کوئی ایسی ہوتی ہے، یہ کچھ اور ہی ہے کالا سا۔“ کاشی نے پھر ہانک لگائی۔ آخر اس کے احتجاج سے تنگ آ کر اس کا باپ کوٹھڑی سے نکلا۔ ”نیک بخت! اٹھ کر روشنی میں دیکھ ہی لے، لڑکے کو آخر دال میں کیا کالا نظر آ رہا ہے۔“

بیوی پر خفا ہوتے ہوئے کاشی کے ابا نے رکابی اٹھائی اور



For Joining

Taleem O Tarbiat Club

Please Visit Our Website at URL

<http://www.paperworldproducts.com/member.php>

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

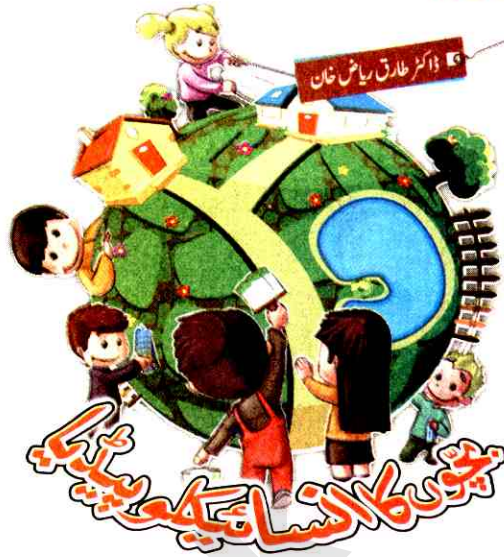
ہیں۔ کوئی بوڑھی مادہ بھیڑ اس گروہ کی قیادت کرتی ہے۔ دُنیا میں سب سے زیادہ بھیڑیں چین، آسٹریلیا، بھارت، ایران اور سوڈان میں پائی جاتی ہیں۔ ڈنمارک کے پڑوسی ملک "Faroe" میں 1979ء میں ڈاک ٹکٹ پر بھیڑ کو شائع کیا گیا۔ حضرت محمد ﷺ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت اسحاقؑ وغیرہ جیسے جلیل القدر انبیاء کرام بھیڑیں چرایا کرتے تھے۔ بھیڑ کے موضوع پر دُنیا بھر میں نظمیں، کہانیاں، گیت اور ناول لکھے گئے ہیں۔

الفریڈ نوبل

نوبل ایوارڈ دُنیا کے اہم ترین اعزاز کا نام ہے جو معروف موجد، کیمیا دان، انجینئر الفریڈ نوبل (Alfred Nobel) کے نام پر ہے جس نے اپنی دولت کا 94 فی صد حصہ سائنس، فزکس، طب، کیمیا، ادب اور امن کے ایوارڈ کے لیے مختص کر دیا۔ اس کا آغاز 1895ء سے ہوا۔ فزکس کا پہلا نوبل ایوارڈ "W.C.Rontgen" کو ملا جس نے X-rays دریافت کی تھیں۔ الفریڈ نوبل 21 اکتوبر



1833ء کو سویڈن کے شہر شک ہوم میں پیدا ہوا۔ دُنیا کی 350 ایجادات میں ڈائنامیٹ، بوفرس توپیں (Bofors) بھی نوبل کی سائنسی عروج و کارناموں میں شامل ہیں۔ الفریڈ نوبل کے والد "Immanuel Nobel" بھی تارپیڈو اور پلائی ووڈ کے موجد تھے۔ والدہ کا نام "Karolina" تھا۔ نوبل کے 8 بہن بھائی تھے جن میں الفریڈ نوبل کا تیسرا نمبر تھا۔ ایک عنصر (Element) کا



بھیڑ

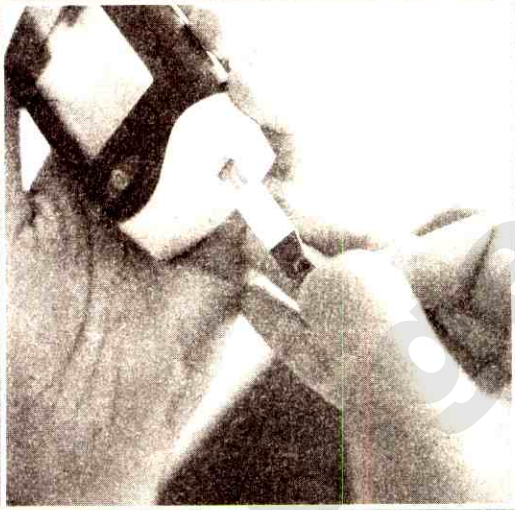
مسلمان عید الاضحیٰ کے موقع پر جن جانوروں کی قربانی کرتے ہیں، ان میں بھیڑ (Sheep) بھی شامل ہے۔ اس کا سائنسی نام "Ovis Aries" ہے۔ اس کا خاندان "Bovidae" ہے جب



کہ کلاس ممالیہ سے تعلق ہے۔ جگالی کرنے والے یہ جانور دُنیا کے قدیم ترین پالتو جانوروں میں سے ہیں۔ بالغ مادہ بھیڑ کو "Ewe" جب کہ بالغ نر بھیڑ کو "Ram" اور بچے کو "Lamb" کہا جاتا ہے۔ بھیڑوں سے گوشت، دودھ اور اُون حاصل ہوتی ہے۔ ایک بالغ بھیڑ کے 32 دانت ہوتے ہیں۔ یہ ریوڑ کی صورت میں چلتی

فٹ) تک اونچائی ہوتی ہے۔ اس کے پتے لمبوترے اور موٹے ہوتے ہیں جن پر 30 سے 100 سینٹی میٹر لمبے کانٹے لگے ہوتے ہیں۔ انناس کا پھل شوگر، ریشوں، چکنائی، پروٹین، وٹامن B1، B2، B3، B5، B6، فولیٹ، وٹامن سی، کیلشیم، آئرن، میگنیز، میکنیشیم، پوٹاشیم، سوڈیم، زنک وغیرہ کا خزانہ ہے۔ اقوام متحدہ کے ادارے FAO کے مطابق دنیا کے ٹاپ ممالک جو انناس پیدا کرتے ہیں، درج ذیل ہیں۔ برازیل، فلپائن، تھائی لینڈ، کوسٹاریکا، انڈونیشیا، بھارت اور چین۔ انناس پھل پر نظمیں، کہانیاں اور کارٹونز بھی بنائے گئے ہیں۔

انسولین

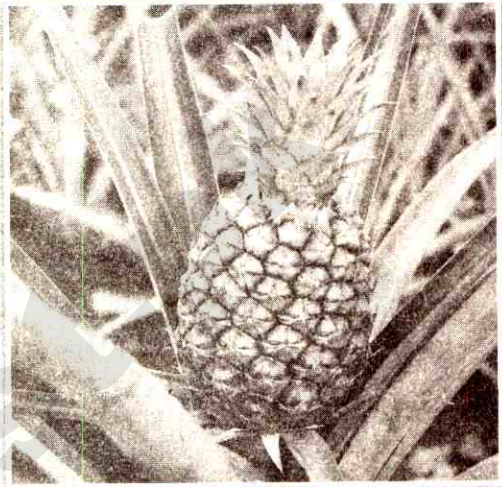


انسولین (Insulin) ایک ہارمون (Hormone) ہے جو لبلہ (Pancrease) پیدا کرتا ہے۔ لبلہ معدہ کے پیچھے ہوتا ہے۔ لبلہ میں بیٹا سیلز (Beta Cells) پائے جاتے ہیں جو جزیرے کی طرح موجود ہیں۔ لفظ انسولین لاطینی زبان کے لفظ "Insula" سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے "جزائر"۔ یہ ہارمون ہمارے جسم میں گلوکوز کی مقدار کو قابو میں رکھتا ہے۔ اس کی کمی سے شوگر یا ذیابیطس کی بیماری ہو جاتی ہے۔ کیمیائی طور پر یہ پروٹین ہے جو ایک ارب سال پہلے جانداروں میں پیدا ہوئی۔ 1923ء میں اس ہارمون کی دریافت پر "F. Banting" اور "J.J. Macleod" کو نوبل ایوارڈ دیا گیا۔ ☆☆☆

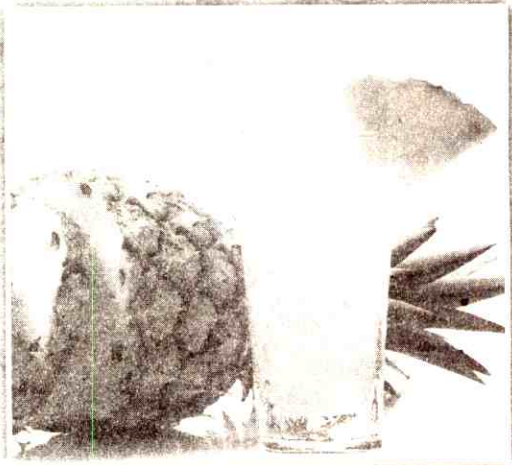
نام نوبلیئم بھی الفرید نوبل کے نام پر رکھا گیا ہے۔ دل کی تکلیف کے باعث الفرید نوبل بیمار رہنے لگا۔ 10 دسمبر 1896ء میں برین ہیمرج کے باعث داعی اجل کو لبیک کہا۔

انناس

انناس (Pine apple) کا تعلق خاندان "Bromelialeae" سے ہے۔ اس کا سائنسی نام ہے "Ananas Comosus"



ہے۔ اسے بحیثیت پھل، قندے، جام، جوس مختلف انواع کی سلاڈ اور آئس کریم میں شامل کیا جاتا ہے۔ اس پودے کا تعلق بنیادی طور پر برازیل اور پیراگوئے سے ہے۔ لفظ "Ananas" "Tupi" زبان سے لیا گیا ہے۔ جنوبی امریکہ میں اس کا مطلب ہے "شان دار پھل" ہے۔ یہ سدا بہار پودا ہے۔ 1.5 میٹر (3.3) سے 4.9





کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
(محر فاطمہ، لاہور)

صبح کو باغ میں شبنم پڑتی ہے فقط اس لیے
کہ پتا پتا کرے تیرا ذکر با وضو ہو کر
(عدن سجاد، جنگ صدر)

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے سننے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
بہت ہی کم نظر آیا مجھے احلاس لوگوں میں
یہ دولت بٹ گئی شاید بہت ہی حاس لوگوں میں
(نہب بنت اسلام، فیصل آباد)

کبابِ سیخ ہیں ہم کروٹیں ہر سو بدلتے ہیں
جل اُٹھتا ہے یہ پہلو تو سبھی پہلو بدلتے ہیں
(فتح محمد شارق، نوشہرہ)

بتان رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی
(علی میر ظفر، گوجرانوالہ)

یہ بہار کا دمانہ، یہ حسین گلوں کے سائے
مجھے ڈر ہے باغبان کو کہیں نیند نہ آ جائے
(عبداللہ شاہ، دریا خان)

پروانے کو چراغ ہے اور بلبل کو پھول بس
صدقہ کے لیے ہے خدا کا رسول بس
(معراجہ، گجرات)

پرواز دونوں کی ہے اس اک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور
(ثناء سعید، ٹوبہ ٹیک سنگھ)

عذاب کی نظروں سے مجھ کو نہ دیکھ اے دوزخ!
کیوں کہ وہ رب بڑا رحیم ہے جس کی میں گناہ گار ہوں
(پلو شہ خٹک، پشاور)

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا
(مریم صدیقہ، گوجرانوالہ)

خون دل دے کر نکھاریں گے رُخِ برگِ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

☆

شبِ گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے
(کرن فاروق، گوجرانوالہ)

اُگ رہا ہے در و دیوار پر سبزہ غالب
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی

☆

جس کو بھی توفیق دیتا ہے خدا
آندھیوں میں وہ جلاتا ہے چراغ
(صوفیہ عبداللہ، پشاور)

تاریخ اگر ڈھونڈے ثانی محمدؐ
ثانی تو بڑی چیز سایہ بھی نہ ملے گا

☆

غزل کی جستجو میں کیوں پھر رہے ہو
اتنا عظیم ہو جا کے منزل تجھے لپکارے
(عبداللہ ثاقب، پشاور)

تندیٰ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب!
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اُڑانے کے لیے

☆

اپنی ملت پر قیاسِ اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
(آمنہ شاہد، دریا خان)

کھوج لگائیے!

ذہانت آزمائیں اور 500 روپے کی کتابوں کا انعام پائیں۔

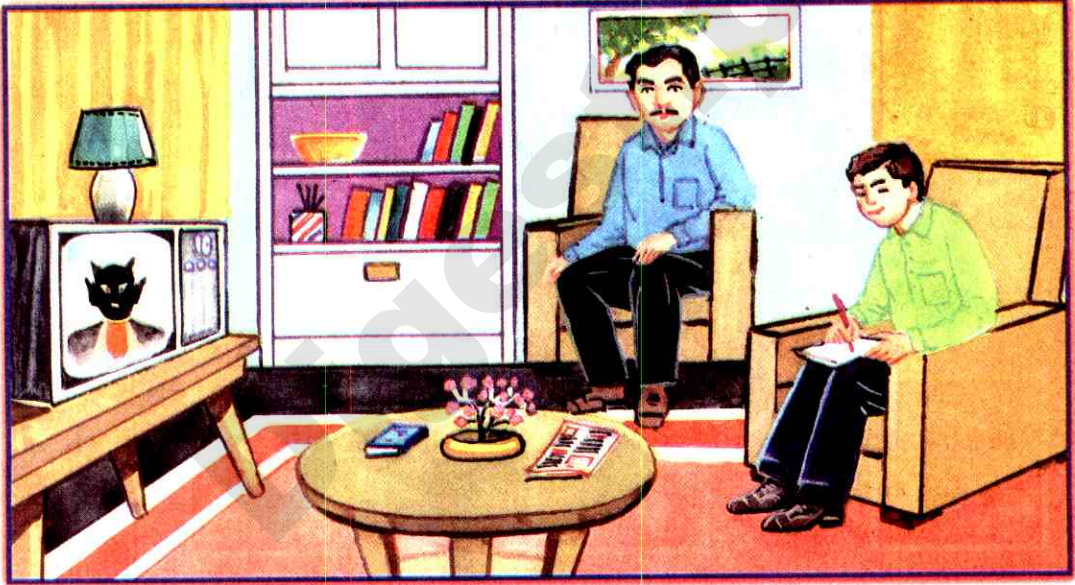


احمد ایک بہت ذہین اور مخفی لڑکا تھا لیکن حساب میں بہت کم زور تھا۔ ابا جان اکثر فارغ اوقات میں اس سے ذہنی آزمائش کے سوالات پوچھا کرتے تھے تاکہ اس کی معلومات میں اضافہ ہو اور اس کی ذہنی ورزش ہو سکے۔

شام کو ابا جان جب دفتر سے واپس آئے تو کچھ دیر انہوں نے آرام کیا۔ اس کے بعد وہ حسب معمول ٹی وی لاؤنج میں آکر بیٹھ گئے۔ احمد کی والدہ نے پینے کے لیے چائے دی۔ جب وہ چائے پی کر فارغ ہوئے تو انہوں نے احمد کو آواز دی۔ ”احمد کاغذ پینل لے کر آؤ۔“ احمد کاغذ پینل لے کر آیا اور ابا جان کے قریب بیٹھ گیا۔ ابا جان نے کہا:

”احمد بیٹا! صرف اکائی یعنی ایک کے ہندسے کسی طرح بھی سات ہار ایسے لکھو کہ مجموعہ 25 آئے۔“

احمد کو یہ معمہ حل کرنے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اس نے اس کا صحیح جواب لکھ کر ابا جان سے داد وصول کی۔ پیارے بچو! جواب تو بہت آسان ہے۔ آپ بھی دماغ پر زور ڈالیے اور درست جواب لکھ کر بھیجئے۔



ستمبر 2014ء میں شائع ہونے والے ”کھوج لگائیے“ کا صحیح جواب یہ ہے:

کلاس میں کل پچپن مرتبہ ہاتھ ملایا جائے گا۔ یعنی پہلا بچہ دس بچوں سے ہاتھ ملائے گا، دوسرا بچہ نو بچوں سے کیوں کہ دسویں بچے سے وہ پہلے ہی ہاتھ ملا چکا ہے۔ تیسرا بچہ آٹھ بچوں سے ہاتھ ملائے گا۔ اس طرح کل پچپن مرتبہ ہاتھ ملایا جائے گا۔

ستمبر 2014ء کے کھوج لگائیے میں قرعہ اندازی کے ذریعے درج ذیل بچے انعام کے حق دار قرار پائے ہیں:

- 1- وانیہ شیخ، حیدرآباد
- 2- فہد امین، گوجرانوالہ
- 3- صہیب نور، کراچی
- 4- محمد سانول، لاہور
- 5- فارعہ نسیم، لاہور۔

رانا محمد شاہد



ہاتھی... میرا ساتھی

سرگرداں رہتا ہے۔ اس کے باوجود نظام ہضم ایسا ہے کہ 40 فیصد خوراک ہضم ہوئے بغیر خارج ہو کر ضائع ہو جاتی ہے۔

ہاتھی پانی کو بہت زیادہ پسند کرنے والا جانور ہے۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ ہاتھی سے زیادہ پانی سے تفریح حاصل کرنے والا خشکی کا کوئی دوسرا جانور کرۂ ارض پر نہیں پایا جاتا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ عموماً ہاتھی اپنا ٹھکانہ ندی نالوں، چشموں اور دریاؤں وغیرہ کے نزدیک بناتے ہیں۔ گرم موسم میں یہ یومیہ اوسطاً 200 لیٹر پانی پی جاتا ہے۔ یہ بات انتہائی دل چسپ ہے کہ ہاتھی ایک قسم کی سفید مٹی استعمال کر کے اپنا ”میک اپ“ کرتے ہیں۔ یہ ان کا کھیل بھی ہے۔

معدنی عناصر کی ضرورت کے لیے ہاتھی اپنا لٹچ یا ڈنر مکمل کرنے کے بعد آبی ذخائر کے نزدیک ایسی جگہوں پر آ جاتے ہیں جہاں کی مٹی میں ایسے معدنی اجزاء موجود ہوتے ہیں جو ہاتھی کو مرغوب ہیں۔ ہاتھی مٹی بھی شوق سے کھاتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق ایک ہاتھی ایک سال میں تقریباً ایک ٹن مٹی ہضم کر جاتا ہے۔ ہاتھیوں کی عمر اوسطاً 65 سے 80 سال تک ہوتی ہے لیکن یہ بھی اہم ہے کہ زیادہ مٹی کھانے والے ہاتھیوں کی عمر اسی ”خاک خوری“ کے سبب نسبتاً کم ہو کر 55 سے 60 سال کے درمیان رہ جاتی ہے۔ ہاتھی کے تذکرے کے ساتھ ہاتھی کے دانوں کا ذکر نہ ہو تو یہ زیادتی ہوگی۔ ہاتھی کے دانوں کے بارے میں ایک خیال

ہاتھی کا شمار کرۂ ارض پر خشکی کے سب سے بڑے جانوروں میں ہوتا ہے۔ کبھی یہ اعزاز ڈائنوسارز کے پاس تھا۔ ہاتھی ایک پُر وقار جانور ہے۔ اس کا بھاری بھر کم جسم، بڑے بڑے پنکھ نما کان اور توپ کی نال جیسی لمبی سونڈ اسے دوسرے جانوروں سے ممتاز کرتے ہیں۔ جانوروں کی دنیا میں اسے ایک عجوبے کی شکل حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جنگ کے دوران استعمال ہونے والے ٹینک کا تصور اس عظیم الجثہ جانور کو دیکھ کر پیدا ہوا۔ وقت اور حالات نے اس جانور کو بھی مشکلات سے دوچار کیا۔ ایک وقت تھا جب دنیا بھر کے جنگلات میں ہاتھیوں کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ خاص طور پر افریقہ اور ایشیا کے جنگلات میں ہاتھی کثیر تعداد میں پائے جاتے تھے مگر اب ان کی تعداد تیزی سے کم ہو رہی ہے۔

اس مفید جانور کے تحفظ کے لیے کوششیں جاری ہیں۔ 1929ء میں ہیونج نیشنل پارک جو تقریباً 4600 کلومیٹر پر محیط ہے، اسے ہاتھیوں کے لیے محفوظ ترین علاقہ قرار دیا گیا۔ اس وقت یہاں صرف ایک ہزار ہاتھی رہ گئے تھے۔ ساٹھ سال بعد ان کی تعداد 23 ہزار سے تجاوز کر گئی۔

ہاتھی کو جسامت کے لحاظ سے نہایت بسیار خور جانور کہا جاتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ایک ہاتھی یومیہ 250 سے 500 پاؤنڈ خوراک کھا لیتا ہے۔ دن میں 18 گھنٹے خوراک کی تلاش میں

بڑی نہیں ہوتی لیکن رگ و پٹھے اتنے سخت اور مضبوط ہوتے ہیں کہ تیز چھری بھی انہیں مشکل سے کاٹ سکتی ہے۔ سوئڈ کی مدد سے وہ بھاری بھر کم درخت کو جڑ سے اکھاڑ کر اپنے چاروں طرف گھا سکتا ہے۔ سوئڈ ہاتھی کی ناک بھی ہے اور بازو بھی۔ اس کی سونگھنے کی حس بڑی تیز ہے۔ ہاتھی موٹا تازہ ہونے کے باوجود آسانی سے بیٹھ سکتا ہے۔ تاہم ایسا وہ بہت کم کرتا ہے۔ افریقہ میں ہزاروں ہاتھیوں کو کھڑے کھڑے سوتے دکھایا گیا ہے۔ ہاتھی کی مونچھیں بڑی سخت ہوتی ہیں۔ سرکس والے انہیں صاف کرنے کے لیے عموماً ایک ٹارچ کا استعمال کرتے ہیں جس سے وہ جل جاتی ہیں۔

ہاتھی بھی انسانوں کی طرح مل جل کر جھنڈوں کی شکل میں رہتے ہیں۔ اتفاق کے ساتھ جب کسی جھنڈ پر دشمن حملہ کرتا ہے تو اس جھنڈ کے مضبوط اور جوان ہاتھی حلقہ بنا کر بچوں، بیماروں اور بوڑھے ہاتھیوں کو اپنے حلقے کے اندر لے لیتے ہیں اور ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ اگر کوئی ہاتھی زخمی ہو جائے تو اسے اٹھا کر محفوظ مقام تک پہنچاتے ہیں۔

ان خوبیوں کے ساتھ ہاتھی میں ایک عجیب رویہ خامی کی صورت میں بھی موجود ہے۔ جب ہاتھی کو غصہ آتا ہے تو وہ بے حد خطرناک ہو جاتا ہے۔ مست ہونے کی صورت میں ہاتھی کسی سے نہیں ڈرتا۔ ایک مرتبہ برما میں ایک جنگلی ہاتھی نے اپنے جنگل سے ریلوے انجن گزرتے دیکھ لیا وہ یہ سمجھا کہ یہ کالا کلونا، بے ڈھنگا جانور ہے جو بغیر اجازت اس کے علاقے میں شور مچاتا جا رہا ہے۔ بس یہ سوچنا تھا کہ ہاتھی نے انجن کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور بھاگتا ہوا انجن کے سامنے آیا اور اسے ایسی زور سے ٹکرا دی کہ خود ڈھیر ہو گیا لیکن انجن بھی پچاس ٹن وزنی ہونے کے باوجود ریلوے لائن سے اتر کر ایک طرف گر گیا۔

اتنا سخت جان اور بھاری دھندے جسم کے باوجود ہاتھی کا شمار سمجھ دار اور ذہین جانوروں میں ہوتا ہے۔ ماہرین کے مطابق پالتو جانوروں میں کتے کے بعد ذہانت میں کوئی دوسرا جانور ہاتھی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پاکستان، بھارت اور مشرقی بعید میں تو ہاتھی کو ایک مدت سے بوجھ اٹھانے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہاتھی آزادی چھن جانے کے بعد بچے نہیں دیتے جس سے ظاہر ہوا کہ ہاتھی پالتو جانور نہیں ہے۔ ☆☆

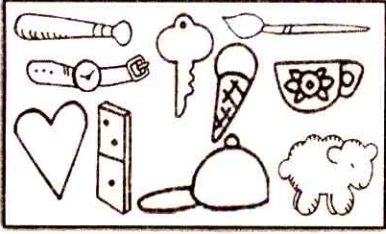
یہ ہے کہ یہ صرف ایک جوڑا ہوتا ہے لیکن حقیقت کچھ اور ہے۔ ساری عمر میں ہاتھی کے دانتوں کے چھ جوڑے یکے بعد دیگرے نکلتے ہیں۔ جب آخری جوڑا بھی داغ مفارقت دے جاتا ہے تو اس کے بعد ہاتھی ایسے علاقوں کا رخ کرتے ہیں جہاں نرم گھاس ہو جسے وہ اپنے منہ کے اندر موجود بوڑھے دانتوں سے چبا سکیں۔ اس لیے یہاں آکر عموماً ہاتھی اپنے انجام کو بھی پہنچ جاتا ہے کیوں کہ وہ زندہ رہنے کے لیے اسی جگہ کو اپنا آخری ٹھکانہ بنا لیتا ہے۔

ہاتھی کے بارے میں ایک دل چسپ بات یہ بھی ہے کہ جب وہ اپنے کان پھڑپھڑاتا ہے تو عام خیال ہے کہ وہ ناراض ہو کر ایسا کرتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ یہ حرکت اپنے خون کے بڑھے ہوئے درجہ حرارت کو کم کرنے کے لیے کرتا ہے۔ ہاتھی کو ”معاشرتی حیوان“ بھی کہتے ہیں کیوں کہ یہ بھی انسانوں کی طرح باقاعدہ قبیلہ بنا کر رہتا ہے۔ بڑے اور بزرگوار قسم کے ہاتھی چھوٹے ہاتھیوں کی حفاظت کرتے ہیں اور انہیں آداب زندگی سکھاتے ہیں۔

ہاتھی کو انسان کا ایک خدمت گار دوست کہا جاتا ہے۔ یہ زمانہ قدیم سے انسان کے کام آتا رہا ہے۔ خاص طور پر ایشیاء اور افریقہ میں یہ بہت سے کام انجام دیتا ہے۔ بعض لوگ شیر کو نہیں بلکہ ہاتھی کو جنگل کا بادشاہ کہتے ہیں۔ ہاتھی تقریباً تمام براعظموں میں پایا جاتا ہے، تاہم براعظم افریقہ میں اس کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق ہاتھیوں کو جس بڑی تعداد میں اپنے مفادات کے لیے شکار کیا جا رہا ہے، اس سے اس امر کو رد نہیں کیا جاسکتا کہ آئندہ سالوں میں اس عظیم الجثہ جانور کا وجود ختم ہو جائے گا اور ہم اسے اسی طرح یاد کریں گے جیسے ڈائنوسارز کو کرتے ہیں۔

افریقین جنگلی نر ہاتھی کا قد تقریباً گیارہ فٹ اور وزن سات ٹن یا چودہ سو پونڈ تک ہوتا ہے۔ اس کے کانوں کی لمبائی ساڑھے تین فٹ اور چوڑائی اڑھائی فٹ تک ہوتی ہے۔ دانت تقریباً 8 فٹ تک باہر نکل آتے ہیں۔ دونوں دانتوں کا وزن تقریباً دو سو پچاس پونڈ تک ہوتا ہے جس کی قیمت لاکھوں روپے ہوتی ہے۔ پیدائش کے وقت ہاتھی کے بچے کا وزن دو سو پونڈ اور قد تین فٹ تک ہوتا ہے۔

ہاتھی کے جسم کا سب سے منفرد حصہ اس کی سوئڈ ہے۔ قدرت نے یہ کسی اور جانور کو عطا نہیں کی۔ اس کی سوئڈ میں اتنی چمک ہے کہ اسے کسی بھی سمت میں مروڑا جاسکتا ہے۔ ہاتھی کی سوئڈ میں



یہ چیزیں خاکے میں چھپی ہوئی ہیں۔ آپ ان چیزوں کو تلاش کیجئے اور شاباش لیجئے۔





باپے

رب اعلیٰ کا کرم ہے باپ
قبلہ و کعبہ حرم ہے باپ
ماں کی دُعا جنت کی ہوا
ماں کی دُعا کا بھرم ہے باپ
محنت، مشقت، جان فشانہ
درس عمل ہر دم ہے باپ
پیارے نبیؐ کا رستہ دکھا دے
ایسا نقش قدم ہے باپ
بچہ اگر ہو علم کی رہ پر
آسودہ، بے غم ہے باپ
دُنیا میں اچھا جو بھی ہے انسان
اس کا دین و دھرم ہے باپ
ماں کے قدموں میں ہے جنت
خلد قدم بہ قدم ہے باپ
فضل ربیٰ ماں کا سایہ
رب کا جود و کرم ہے باپ
عز و شرف تو سب ماں سے ہے
انسانیت کا عَلم ہے باپ



مادرے

رب کا ایک احسان ہے ماں
پیارے نبیؐ کا مان ہے ماں
ماں کے قدموں کو پُومو
جنت کا ایقان ہے ماں
باپ کا سایہ رب کا کرم
رب کے کرم کی شان ہے ماں
برکت، رحمت اور شفقت
فضل خدا کی جان ہے ماں
ماں کی رضا ہے رب کی رضا
اپنا یہ ایمان ہے ماں
دُنیا میں جس سے عظمت
عقبیٰ کا سامان ہے ماں
رب کا جس سے عرفاں ہو
اپنی وہ پہچان ہے ماں
باپ کا پیار اپنی جنت
درد کا درمان ہے ماں
نفوتی، دل کے گھر میں تو
قرآن کا جزدان ہے ماں

سید ذوالفقار حسین نقوی



اسکواٹش
کا
جادوگر

ہاشم خان

نسرین شاہین

برٹش اوپن میں حصہ لیا۔ مقابلوں میں شرکت کے لیے انہیں جنگی ساز و سامان لینے کے لیے جانے والی پاکستان ایئر فورس کی ایک خصوصی پرواز سے لندن پہنچایا گیا۔ ایونٹ میں انہوں نے ناقابل شکست رہتے ہوئے فائنل تک رسائی حاصل کی اور پھر مارچ 1951ء کو مصر کے عبدالباری کو ہرا کر اسکواٹش کورٹ میں پاکستانی فتوحات کا آغاز کیا۔ یہ فتح ہاشم خان نے لندن برٹش پروفیشنل چیمپئن شپ جیت کر حاصل کی۔ ہاشم خان نے پشاور کی جانب سے کھیلے ہوئے "Lansdowne Club" میں برٹش اسکواٹش ریکٹس چیمپئن شپ کا فائنل، 29 سالہ عبدالباری کو 9-3، 10-8، 7-9، 4-9 کے اسکور سے شکست دے کر جیتا۔ اسی ٹورنامنٹ کے بعد ایڈنبرگ میں کھیلا گیا اسکاتلش اوپن چیمپئن شپ کا فائنل میچ ہاشم خان نے مصر کے کھلاڑی محمود الکریم کو 4-9، 0-9، 2-9 سے ہرا کر جیت لیا۔ یہ دو فتوحات حاصل کرنے کے بعد ہاشم خان مارچ 1951ء کے آخری دنوں میں پندرہویں برٹش اوپن اسکواٹش چیمپئن شپ کھیلنے لندن گئے جہاں ان کا مقابلہ ایک تاریخی مقابلہ ثابت ہوا۔ یہ 9 اپریل 1951ء کا دن تھا جب فائنل میں

اسکواٹش کورٹ میں پہلی بار پاکستانی پرچم لہرانے والے ہاشم خان 1914ء میں پشاور کے نواحی گاؤں "نواں کلی" میں پیدا ہوئے۔ ابھی آٹھ برس کے ہوئے تھے کہ اپنے چیف اسٹیورڈ والد عبداللہ کے ہمراہ ٹینس کورٹ جانے لگے۔ وہاں انگریزوں کو کھیلتا دیکھتے اور ٹینس کورٹ سے باہر جانے والی گیند اٹھا کر واپس کھلاڑیوں کو دیا کرتے۔ یوں وہ کم عمری میں "بال بوائے" مشہور ہو گئے۔ بال بوائے سے اسکواٹش کھلاڑی بننے اور سات بار برٹش اوپن جیتنے کا سفر خاصا طویل رہا۔ نواں کلی نامی گاؤں سے اٹھنے والے طوفان نے دیکھتے ہی دیکھتے اسکواٹش کی دنیا کو اپنے حصار میں لے لیا اور یوں اسکواٹش اور پاکستان کا نام کھیلوں کی تاریخ میں ہمیشہ کے لیے ایک ہو گیا۔ پہلی مرتبہ 1944ء میں انہوں نے ممبئی میں آل انڈیا پروفیشنل ٹورنامنٹ جیت کر دنیا بھر کو حیران کر دیا، پھر مسلسل تین بار فائنل اپنے نام کیا۔ 14 اگست 1947ء کے بعد سے 9 اپریل 1951ء تک کسی پاکستانی کھلاڑی نے کوئی بھی انٹرنیشنل ٹورنامنٹ کسی بھی کھیل میں نہیں جیتا تھا۔ ہاشم خان نے قیام پاکستان کے بعد 1951ء میں پہلی بار

سات بار برٹش اوپن چیمپئن شپ جیتنے والے اسکوائش کے عظیم کھلاڑی ہاشم خان اسکوائش کے کورٹ میں اپنی شان دار اور بے مثال جادوگری دکھانے کے بعد 19 اگست 2014ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ یوں اسکوائش کا ایک سنہری باب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔ وہ گزشتہ کئی سالوں سے امریکہ میں مقیم تھے۔ وہ آخری بار 2000ء میں پاکستان آئے تھے اور پشاور میں نواکلی میں گئے۔ اس موقع پر وہ اپنی پرانی یادیں تازہ کرتے رہے۔

دل چسپ بات یہ ہے کہ پاکستانی اسکوائش کی تاریخ کے عظیم کھلاڑی ہاشم خان کو اپنی تاریخ پیدائش یاد نہیں تھی لیکن وہ یہ جانتے تھے کہ 1951ء میں جب پہلی بار برٹش اوپن ٹائٹل جیتا تو اس وقت ان کی عمر 35 یا 36 سال تھی۔ انہوں نے امریکہ میں چند ماہ قبل رواں سال میں اپنی 100 ویں سال گرہ منائی تھی۔ یوں عظیم کھلاڑی ہاشم خان اپنی عمر کی سنجری بنا چکے تھے۔ وہ ایک خوش مزاج اور مرتعناں مرنج شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے چہرے پر کھلی مسکراہٹ ان کے چاہنے والوں کو ہمیشہ یاد رہے گی۔ ہاشم خان نے پاکستان میں اسکوائش کے حوالے سے تاریخ کا ایک باب روشن کیا، جو اب بند ہو گیا ہے لیکن ان کے کھیل اور فتوحات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، جو دوسرے آنے والے کھلاڑیوں کے لیے بھی مشعل راہ ہے کہ کس طرح مسلسل محنت اور جدوجہد سے انسان کام پایاں حاصل کر سکتا ہے۔ ہاشم خان نے اپنے دور اور آنے والے دور کے کھلاڑیوں کے لیے بھی مثال قائم کی۔ امریکہ میں کوچنگ کے ساتھ پروفیشنل اسکوائش بھی کھیلتے رہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ملک و قوم کے لیے ناقابل فراموش خدمات کے پیش نظر پاکستان ایئر فورس نے 10 کورٹس پر مبنی اسکوائش کمپلیکس اس عظیم کھلاڑی کے نام سے منسوب کر رکھا ہے جو کہ بڑے اعزاز کی بات ہے۔ عالمی اسکوائش کے ممتاز مبصر جیمز زوگ نے ہاشم خان کو ”آل ٹائم گریٹس“ میں شمار کیا تھا۔ وطن عزیز میں کھیلوں میں حصہ لینے والے نوجوان کھلاڑیوں کے لیے ان کی مثال ایک رول ماڈل کی سی ہے جنہوں نے دنیائے کھیل میں ملک و قوم کا نام روشن کیا اور اسکوائش کی دنیا میں پاکستان کا پرچم سر بلند کیا۔ ☆☆☆

”Lansdowne Club“ میں پانچ مرتبہ کے برٹش اوپن چیمپئن مصر کے محمود الکریم سے ہاشم خان کا مقابلہ ہوا جسے ہاشم خان نے آسانی 9-0، 9-0، 9-5 سے جیت کر پہلی مرتبہ پاکستان کو کسی بھی کھیل کے عالمی مقابلے میں عالمی چیمپئن ہونے کا اعزاز دلوایا۔ یوں اسکوائش کھیلوں کی دنیا میں پاکستان کی پہلی شناخت بنا۔

ہاشم خان نے برٹش اوپن جیت کر پاکستان کو کامیابی کی نئی راہ دکھائی۔ 35 سال کی عمر میں پروفیشنل چیمپئن بننے کے بعد انہوں نے مسلسل چھ بار یہ اعزاز اپنے نام کیا۔ آٹھویں بار فائنل میں انہیں جہانگیر خان کے والد روشن خان کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ قومی لیجنڈ ہاشم خان نے 1951ء سے 1958ء تک سات بار برٹش اوپن ٹائٹل اپنے نام کیا۔ ”اسکوائش کے جادوگر“ کے نام سے مشہور ہاشم خان نے تین بار یو ایس اوپن، دو بار کینیڈین اوپن، اسکائش اوپن، ڈن لوپ اوپن سمیت کئی بین الاقوامی مقابلوں میں کامیابی حاصل کی۔ قومی لیجنڈ ہاشم خان نے ایک اور گراں قدر اعزاز بھی حاصل کیا۔ وہ 1977ء سے 1982ء تک مسلسل چھ مرتبہ برٹش اوپن کے وینز ٹائٹل کے حق دار بھی ٹھہرے۔ یہ بھی ایک اعلیٰ ترین اعزاز ہے۔

بچپن میں ہاشم خان کا خواب تھا کہ وہ سبز ہلالی پرچم دنیا میں لہرائیں۔ مسلسل محنت اور جدوجہد کے بعد انہوں نے یہ مقام حاصل کیا اور اپنے بچپن کا خواب پورا کیا۔ بلاشبہ پاکستان میں کھیلوں کی دنیا میں سب سے پہلے پاکستان کو فتح دلانے اور کھیلوں کے میدان میں پاکستان کی حکمرانی کا آغاز ہاشم خان نے ہی کیا تھا۔ ٹینس کورٹ سے اسکوائش کورٹ کا سفر کرنے والے یہ عظیم کھلاڑی اسکوائش کی دنیا میں نمایاں رہیں گے کہ ان کی بدولت ہی دوسرے کھلاڑی بھی اسکوائش کے میدان میں آئے اور نمایاں کام پایاں حاصل کیں جن میں اعظم خان، روشن خان، محبت اللہ خان، قمر زمان، جہانگیر خان اور جان شیر خان جیسے کھلاڑیوں نے اسکوائش کی دنیا میں پاکستان کا سبز ہلالی پرچم بلند کرتے ہوئے ملک کا نام روشن کیا۔ پاکستان کے ان عظیم سپوتوں نے برٹش اوپن، ورلڈ اوپن اور پاکستان اوپن کے علاوہ اہم ترین بین الاقوامی مقابلوں میں حصہ لیا اور کام پایاں حاصل کیں۔



- حضرت ہود علیہ السلام کے زمانے میں قوم عاد پر قہر الہی نازل ہوا۔
- حضرت موسیٰ علیہ السلام نبوت سے پہلے حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس زیر تربیت تھے۔
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت اللحم میں پیدا ہوئے۔
- حضرت سلیمان علیہ السلام حیوانوں کی بولیاں سمجھ لیتے تھے۔
- حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیٹائی بیٹے کی جدائی کے سبب جاتی رہی۔
- سندھی زبان کے پہلے ناول کا نام ”زینت“ ہے۔
- بوعلی سینا کی کتاب القانون علم طب کے موضوع پر ہے۔
- بابائے اردو مولوی عبدالحق 20 اپریل 1870ء کو پیدا ہوئے۔
- بحیرہ ایض (White Sea) روس میں واقع ہے۔
- دریائے ایمزن سب سے چوڑا دریا ہے۔
- ڈیرہ غازی خان میں ایک ایسی چارپائی تھی جس میں بیک وقت تقریباً ڈیڑھ سو آدمی بیٹھ سکتے تھے۔
- گھڑی ہارون الرشید کے عہد میں بغداد میں ایجاد ہوئی۔
- انگریزی زبان کے مشہور شاعر ”شیکسپیر“ کا باپ دستانے بناتا تھا۔
- سر درد کے لیے پھانسیک سونگھنا فائدہ مند ہے۔
- ہمارے قومی ترانے میں لفظ ”پاکستان“ صرف ایک مرتبہ آیا ہے۔
- پاکستان کا سب سے بڑا دریا ”دریائے سندھ“ ہے۔
- مینار پاکستان کی اونچائی 196 فٹ 6 انچ ہے۔
- سوئٹ گنتی میں نو کا ہندسہ انیس مرتبہ آتا ہے۔
- دنیا کا سب سے اونچا جانور زرافہ ہے۔
- بھارت میں سب سے زیادہ بندر پائے جاتے ہیں۔
- اللہ تعالیٰ نے جنات کو جمعرات کے دن پیدا کیا۔
- قرآن کریم کی چار سورتوں میں حضرت ایوب علیہ السلام کا تذکرہ ہوا ہے۔
- (محمد علیم نظامی، لاہور)
- برطانیہ کے شہر بریڈ فورڈ کو چھوٹا پاکستان کہا جاتا ہے۔
- دنیا کا سب سے لمبی عمر والا شخص ایک پاکستانی تھا، جس کی عمر 154 (ایک سو چوہن) سال تھی۔
- علامہ اقبال کے مزار کا ڈیزائن زین یار جنگ نے بنایا تھا۔
- کلمہ طیبہ میں کوئی لفظ نہیں ہے۔
- گاڑیوں میں نمبر پلیٹ لگانے کا طریقہ برطانیہ نے شروع کیا۔
- یادگار پاکستان کا نقشہ مراد خان نے تیار کیا تھا۔
- مشہور سائنس دان ڈالٹن کو رنگوں کی شناخت نہیں تھی۔
- چاند پر کھڑے ہو کر آسمان سیاہ رنگ کا نظر آتا ہے۔
- اردو زبان کے شاعر سعادت یار خان رنگین نے شیطان کی شان میں قصیدہ لکھا۔
- (فرخ حیات، پیر محل)
- برازیل کی شہد کی مکھوں کا شہد کڑوا ہوتا ہے۔
- نیوزی لینڈ ایک ایسا ملک ہے جس میں سانپ نہیں پائے جاتے۔
- ٹریفک قوانین کے اشارے پہلی مرتبہ امریکہ کے پارلیمنٹ میں نصب کیے گئے۔
- پاکستان کی سب سے بڑی عوامی لائبریری لاہور میں واقع ہے۔
- سب سے زیادہ ایٹمی دھماکے امریکہ نے کیے جن کی تعداد 1048 ہے۔
- آدم خور درخت افریقہ میں پایا جاتا ہے جس کا چھلکا سونگھنے سے انسان بے ہوش ہو جاتا ہے۔
- دنیا کا امیر ترین ملک سوئٹزر لینڈ ہے۔
- عجوبہ کجور کا درخت حضور اکرم ﷺ نے خود اپنے ہاتھوں سے لگایا۔
- انسانی جسم کی سب سے چھوٹی ہڈی کان میں پائی جاتی ہے۔
- حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہتے ہیں۔
- جوزف لسٹر نے پہلی مرتبہ جراثیموں سے پاک سرجری کا خیال پیش کیا۔
- (حسب گلزار، سرگودھا)



ابو نے کیوں نہیں لیا۔ اس لئے آپ مجھے بکرا لے دیں تاکہ میں بھی انہیں دکھا سکوں کہ ہم نے بھی بکرا لے لیا ہے۔“ سلیم نے کہا تو اس کے ابو مسکرا دیئے۔

”گویا تم دکھاوا کرنا چاہتے ہو۔“ سلیم کے پاپا نے کہا۔

”پاپا! کیسا دکھاوا.....؟ میں کچھ نہیں جانتا..... آپ مجھے بکرا لے دیں۔“ سلیم نے ضد کرتے ہوئے کہا۔

”سلیم..... بیٹا ضد نہیں کرتے۔ تمہارے پاپا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ سلیم کی امی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو سلیم نے منہ بنا لیا۔

”اچھا..... اچھا! میں اپنے باس سے بات کرتا ہوں۔ اگر انہوں نے مجھے ایڈوائس تنخواہ دے دی تو ہم بکرا لے آئیں گے۔“ سلیم کے ابو نے کہا تو سلیم کے چہرے پر خوشی پھیل گئی۔

”تھینک یو پاپا!“ سلیم نے مسکرا کر کہا۔

”چلو اب ناشتہ کرو۔ تمہیں اسکول سے دیر ہو جائے گی۔“ سلیم کی امی نے اس بار اس سے مخاطب ہو کر کہا تو سلیم نے اثبات میں سر ہلا دیا اور ناشتہ کرنے لگ گیا۔ ناشتہ کرنے کے بعد وہ اپنے پاپا کے ساتھ موٹر بائیک پر سوار ہو کر اسکول چلا گیا۔

”پاپا..... ہم بکرا لینے کب چلیں گے؟“ تیرہ سالہ سلیم کے پاپا جب ناشتے کی میز پر آئے تو سلیم نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔ وہ کافی دنوں سے اپنے پاپا سے بکرا لینے کی فرمائش کر رہا تھا۔

”سوری بیٹا..... شاید اس بار میں قربانی نہ کر سکوں۔“ سلیم کے پاپا نے جواب دیا تو وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگا۔

”کیوں پاپا..... آپ اس عید پر قربانی کیوں نہیں کر سکتے؟“ سلیم کے لہجے میں حیرت تھی۔

”بیٹا..... کمروں کی قیمتیں آسمانوں سے باتیں کر رہی ہیں اور میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ میں بکرا خرید سکوں۔“ سلیم کے ابو نے کہا۔

”پچھلے سال تو آپ نے قربانی کی تھی۔“ سلیم نے کہا۔

”پچھلے سال حالات اور تھے بیٹا..... اور اس سال حالات اور ہیں۔“ سلیم کے ابو نے بتایا تو سلیم کے چہرے پر اُدا سی پھیل گئی۔

”پاپا..... آپ بکرا لے لیں..... آپ کسی سے ادھار پیسے لے لیں..... پلیز پاپا..... مجھے بکرا چاہئے..... پاپا آپ نہیں جانتے، میں شام کو باہر جاتا ہوں تو جمیل اپنے بکرے سے کھیل رہا ہوتا ہے۔ وہ مجھے چڑاتا ہے کہ انہوں نے تو بکرا لے لیا ہے، آپ کے

”ہاں..... ہو جائے۔“ سلیم نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے..... چلو میدان میں مقابلہ کراتے ہیں ان کے درمیان..... اگر میرا بکرا جیت گیا تو وہ چیمپئن کہلائے گا اور اگر تمہارا بکرا جیت گیا تو وہ چیمپئن ہوگا۔“ جمیل نے کہا۔

”مجھے منظور ہے۔“ سلیم نے ہامی بھری۔

”چلو پھر۔“ جمیل نے کہا اور وہ دونوں اپنے اپنے بکرے لئے محلے کے میدان کی طرف بڑھ گئے۔ وہ ایک چھوٹا سا میدان تھا جہاں محلے کے بچے کھیلنے آتے تھے۔ اس وقت وہاں محلے کے بچوں کی کثیر تعداد موجود تھی۔ جب جمیل نے بچوں کو بکروں کے مقابلے کا بتایا تو وہ سب خوش ہو کر دائرے کی صورت میں جمع ہو گئے۔

جمیل اور سلیم اپنے اپنے بکرے لئے کھڑے تھے، پھر انہوں نے دونوں بکروں کو ایک دوسرے کی طرف بڑھایا تو دونوں بکروں نے اپنے اپنے سر ایک دوسرے سے ملا دیئے۔ جمیل اور سلیم اپنے اپنے بکروں کی رسیاں چھوڑ کر پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ دونوں بکرے اگلی ناگوں پر کھڑے ہو کر ایک دوسرے پر حملے کرنے لگے۔ وہاں موجود بچے محظوظ ہو رہے تھے اور تالیاں بجا رہے تھے۔

اسی لمحے جمیل کے بکرے نے سلیم کے بکرے کو زوردار ٹکر ماری تو اس کا ایک سینگ ٹوٹ کر زمین پر آگرا جسے سلیم نے اٹھا لیا۔ یہ دیکھ کر بچے ایک بار پھر زور زور سے تالیاں بجانے لگے۔ اسی لمحے جمیل کے بکرے نے ایک بار پھر سلیم کے بکرے کو ٹکر ماری تو وہ زمین پر گر گیا۔ جمیل خوشی سے اچھلنے لگا۔ اس کا بکرا چیمپئن بن گیا تھا۔ سلیم اپنے بکرے کو لے کر گھر آ گیا۔ اس کے پاس گم موجود تھی۔ اس نے گم سے بکرے کا ٹونا ہوا سینگ جوڑنے کی کوشش کی لیکن وہ نہیں جڑ رہا تھا۔ اسی لمحے اس کے پاپا وہاں آ گئے۔ انہوں نے جب بکرے کا ٹونا ہوا سینگ دیکھا تو حیران رہ گئے۔

”سلیم! بکرے کا سینگ کیسے ٹوٹ گیا ہے؟“

”جمیل کے بکرے نے توڑا ہے۔“ سلیم نے جواب دیا تو وہ حیران رہ گئے۔

”اوہ! اس نے کیسے توڑا ہے..... کیا تم نے دونوں بکروں کی لڑائی کرائی تھی؟“ سلیم کے پاپا نے پوچھا تو سلیم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”اوہ! یہ تم نے کیا کیا ہے۔ اب ہم قربانی کرنے سے محروم ہو

سکول کھل چکے تھے۔ سلیم آٹھویں کلاس میں پڑھتا تھا۔ وہ اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس کے والد ایک فیکٹری میں منیجر کے عہدے پر فائز تھے، اس لئے ان کی تنخواہ اچھی تھی۔

عید الاضحیٰ کی آمد آمد تھی۔ سلیم کے محلے کے بہت سے لوگوں نے بکرے لے لئے تھے۔ اس کے ابو بھی ہر سال قربانی کرتے تھے۔ جمیل، سلیم کا پڑوسی تھا۔ اس کے ابو چند روز پہلے ہی بکرا منڈی سے ایک موٹا بکرا خرید لائے تھے اور جمیل اسکول سے آنے کے بعد جلدی جلدی ہوم ورک کرتا تھا، پھر وہ بکرا لے کر گھر سے باہر آ جاتا تھا۔ اگر اسے سلیم مل جاتا تو وہ اسے چڑاتا تھا کہ دیکھو اس کے ابو کتنا موٹا بکرا لائے ہیں تو سلیم اُداس ہو جاتا تھا۔ آج اس نے اپنے پاپا سے بکرا لینے کی ضد کی تھی۔

شام کو سلیم کے پاپا گھر آئے تو انہوں نے سلیم کو خوشخبری سنائی کہ انہیں باس سے پیسے مل گئے ہیں اور وہ کل بکرا منڈی میں بکرا خریدنے جائیں گے۔ سلیم بے حد خوش ہوا۔

اگلے دن اتوار تھا۔ ناشتہ کرنے کے بعد سلیم اور اس کے پاپا بکرا منڈی پہنچ گئے۔ بکرا منڈی میں بہت سے بیو پاری اپنے اپنے بکروں کو لئے کھڑے تھے۔ سلیم کے پاپا نے ایک بیو پاری سے ایک موٹا اور درمیانے قد کا بکرا خریدا اور گھر آ گئے۔ سلیم کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

سلیم بھی اب شام کو اپنے بکرے کو لے کر باہر نکل جاتا اور اسے گلی محلوں میں پھراتا رہتا۔ اس کا سر فخر سے بلند ہوتا تھا۔ ایک دن سلیم اپنے بکرے کو محلے میں لئے پھر رہا تھا کہ اسے جمیل مل گیا۔ اس کا بکرا بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس نے سلیم کا بکرا دیکھا تو اس نے اس کا مذاق اڑایا۔

”ارے اتنا چھوٹا بکرا، یہ تو میرے بکرے کے آگے کچھ نہیں ہے۔ میرا بکرا تو بہت موٹا اور بڑا ہے۔ وہ تمہارے بکرے کو ایک ہی ٹکر میں ڈھیر کر دے گا۔“

”ہونہ۔“ میرا بکرا بھی تمہارے بکرے سے کم نہیں ہے اور یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ تمہارا بکرا میرے بکرے کو ایک ہی ٹکر میں ڈھیر کر سکتا ہے۔“ سلیم نے جھٹ سے جواب دیا تو جمیل کے چہرے پر غصے کے تاثرات ابھر آئے۔

”اچھا..... تو پھر ہو جائے مقابلہ؟“ جمیل نے کہا۔

”جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا..... بچے بکروں کو پا کر بہت خوش ہوتے ہیں اس لئے انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ اگر کسی بکرے کا سینگ ٹوٹ جائے تو اس کی قربانی نہیں کی جاتی۔ تمہیں معلوم ہوتا تو شاید تم کبھی بھی بکروں کو آپس میں نہ لڑاتے۔ ویسے بھی جانوروں کو ایک دوسرے سے لڑانا اچھی بات نہیں ہے۔ یہ بے زبان ضرور ہیں لیکن یہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں اور اللہ کو یہ پسند نہیں ہے کہ اس کی مخلوق کو آپس میں لڑایا جائے۔“ سلیم کے پاپا نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا۔

”سوری پاپا..... میں بے حد شرمندہ ہوں..... مجھے واقعی معلوم نہیں تھا۔“ سلیم نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے، اب تو پتا چل گیا ہے۔ آئندہ احتیاط کرنا۔“ سلیم کے پاپا نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”پاپا..... اب اس بکرے کا کیا کریں گے؟“

”عید کے بعد اس کی قربانی کریں گے۔“ اس کے پاپا نے کہا تو سلیم کے چہرے پر افسوس کے تاثرات ابھر آئے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اسے معلوم ہوتا تو وہ کبھی بھی جمیل کے بکرے سے اپنے بکرے کی لڑائی نہ کرواتا۔

گئے ہیں۔“ سلیم کے پاپا نے افسوس بھرے لہجے میں کہا تو سلیم حیران رہ گیا۔ اسی لمحے سلیم کی امی بھی وہاں آ گئیں۔

”کیا ہو گیا ہے؟“ انہوں نے سلیم کے پاپا سے پوچھا۔ پھر جب ان کی نظر بکرے کے ٹوٹے ہوئے سینگ پر پڑی تو وہ بے اختیار چونک پڑیں۔

”ارے..... یہ بکرے کا سینگ کیسے ٹوٹ گیا ہے؟“ وہ حیرانی سے بولیں تو سلیم کے پاپا نے بتا دیا۔

”اب تو اس کی قربانی نہیں ہو سکتی۔“

”ہاں۔“ سلیم کے پاپا نے افسوس بھرے لہجے میں جواب دیا۔

”پاپا..... ہمارے بکرے کی قربانی کیوں نہیں ہو سکتی؟“ سلیم کی سمجھ میں ابھی تک اپنے پاپا کی بات نہیں آرہی تھی۔

”بیٹا..... اگر قربانی کے بکرے کا سینگ ٹوٹ جائے یا کوئی بکرا بیمار ہو جائے تو اس کی قربانی جائز نہیں ہوتی۔ اس لئے ہم اپنے بکرے کی قربانی نہیں کر سکتے۔ ہم ثواب سے محروم ہو گئے ہیں۔“

سلیم کے پاپا نے بتایا تو سلیم کو بھی افسوس ہونے لگا کہ اس کی وجہ سے بکرے کا سینگ ٹوٹا ہے۔

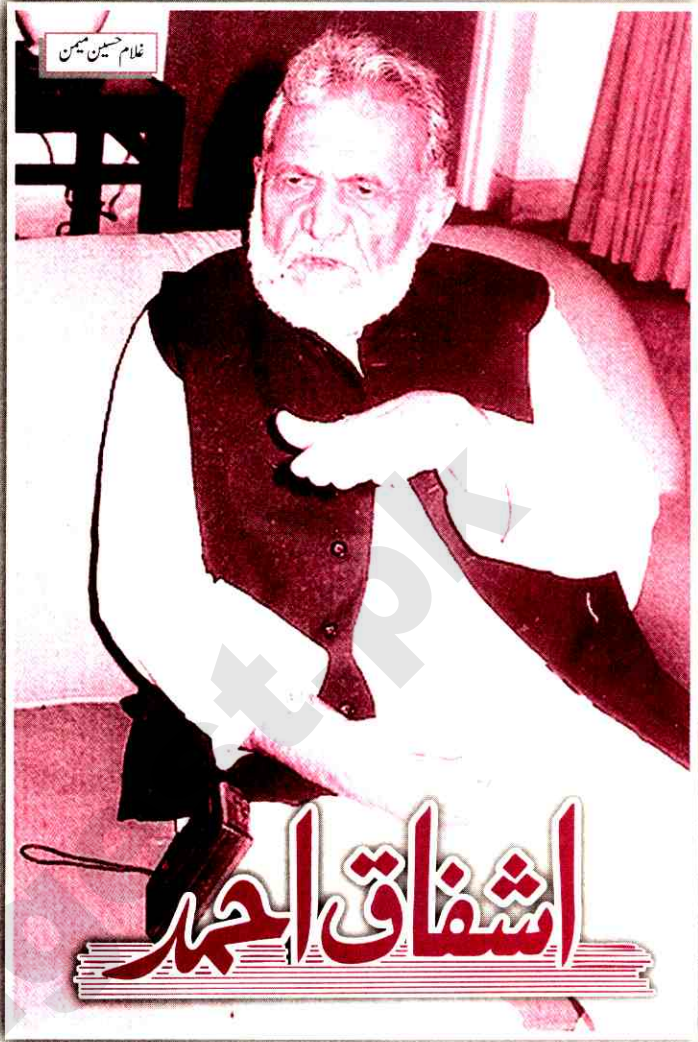
”ابو..... مجھے معاف کر دیں..... یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔“ سلیم نے کہا۔

سلسلہ ”کھوج لگائیے“ میں حصہ لینے والے بچوں کے نام

علیہ احمد، راول پنڈی۔ رافع پولس، لاہور۔ تسنیم عبد المجید، قصور۔ ہمالیوں رشید، اسلام آباد۔ ربیعہ سلیم، فیصل آباد۔ فتح محمد شارق، خوشاب۔ ثناء حاجی، لاہور۔ مصباح اکرم، لاہور۔ روا فاطمہ عمر، راول پنڈی۔ مریم کاشف، حیدر آباد۔ سید اریب احمد، کراچی۔ سیب جاوید، کراچی۔ صدق حسین قادری، محمد نوید قادری، کاموکی۔ حافظ ثناء عروج، فیصل آباد۔ فیاض انور، گوجرانوالہ۔ لائبریشنر ادا، راول پنڈی۔ محمد حبیب اللہ، محمد عبد الرحمن، لاہور۔ محمد زبیر عبد اللہ، شیخوپورہ۔ محمد اسامہ ملک، راول پنڈی۔ عشیاء نور، سیال کوٹ۔ محمد ابوبکر ناصر، لاہور۔ محمد ہارون صادق، لاہور۔ تحریم فاطمہ، لاہور۔ عائشہ فاطمہ، گوجرانوالہ۔ حافظ محمد ذکوان، میاں والی۔ اخلاق احمد، سندھ۔ ذیشان احمد صدیقی، میاں والی۔ محمد مجیر خان، بھکر۔ رانا بلال احمد، بھکر۔ عقیلہ رباب، تلہ گنگ۔ عیشا سعید، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ زائش خورشید، ایبٹ آباد۔ محمد اکبر ناصر، محمد عرفان بلوچ، لاہور۔ شفیق فاطمہ، راول پنڈی۔ نسیب ارشد لون، سیال کوٹ۔ جنید احمد رضا، ملتان۔ محمد زبیر مقصود، محمد عزیز مقصود، لاہور۔ شہرہ طارق، بٹ، گوجرانوالہ۔ ملک محمد سلمان، راول پنڈی۔ انصی سجاد، راول پنڈی۔ عربیلہ سعید، آصف سعید، میاں والی۔ محمد طلحہ سلمان، لاہور۔ رختی آفتاب، کراچی۔ حافظہ عابدہ سمیع، کراچی۔ سمیعہ توقیر، کراچی۔ عائشہ زلفقار، لاہور۔ کیٹ۔ معیز اعجاز، انک۔ محمد رضوان، میاں والی۔ صبیح الحسن، سیال کوٹ۔ خدیجہ ماہ نواز، فیصل آباد۔ حمزہ عدنان، لاہور۔ حبیبہ الفت، لاہور۔ کوئل صادق چوہدری، گوجرانوالہ۔ عیاش مجید غوری، پشاور۔ اسما رشید، فافٹہ نوید ملک، احمدیہ، طابہ ایوب۔ تحریم رضا، لاہور۔ رشید عدنان، کراچی۔ محمد تسبیح اوجہ، گکھڑ۔ عائشہ وحید، بہاول پور۔ نشاء اعجاز، جوہر آباد۔ صداقت علی، لاہور۔ عظیم ڈوگر، ملتان۔ حافظہ محمد عذیب، وزیر آباد۔ عثمان بن وحید، اسلام آباد۔ عادل عاصم، منڈی بہاؤ الدین۔ اجڑ خان، نوشہرہ۔ حافظہ تنزیلہ افضل، بہاول پور۔ تنخیرہ مریم، لاہور۔ محمد عبد اکرم شریف، میاں والی۔ نسیب ناصر، فیصل آباد۔ محمد احمد خان غوری، بہاول پور۔ عابد الرحمن، لاہور۔ منیرہ توقیر، لاہور۔ فاطمہ صغیر، منڈی بہاؤ الدین۔ ازوکی امان اللہ، لاہور۔ مریم صدیقہ، گوجرانوالہ۔ محمد عقیب مسرت، بہاول پور۔ طلحہ اعجاز، صوابی۔ خدیجہ شوکت، فیصل آباد۔ محمد طیب اشرف اعوان، لاہور۔ احسن محمود، کراچی۔ عبد الحقیق، فیصل آباد۔

ایک نوالہ توڑ کر منہ میں رکھ لیا۔ قائد اعظم اس کیپ میں مہاجروں کا دکھ بانٹنے اور ان کی حالتِ زار کا جائزہ لینے آئے تھے۔ بی اے کے بعد انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے اُردو کیا۔ جب ان کا نتیجہ آیا تو ان دنوں وہ آزاد کشمیر ریڈیو پر ممتاز مفتی اور یوسف ظفر کے ہمراہ ریڈیو پروگرام کرتے تھے۔ وہ اشفاق احمد کو اصرار کر کے اپنے ساتھ لے آئے اور یوں دیال سنگھ کالج میں شاگردوں کو اُردو پڑھانے لگے۔

ابھی وہ دیال سنگھ میں ہی تھے کہ ایک روز اٹلی کی حکومت نے حکومت پاکستان کو خط لکھا کہ ہم روم میں یونیورسٹی کے لیے اُردو کا اُستاد چاہتے ہیں جو ساتھ ہی ساتھ ہمارے ریڈیو پر بھی اُردو میں پروگرام پیش کرے۔ یعنی ایک ہی شخص میں دونوں خوبیاں ہونی چاہئیں۔ اس وقت ایسی شخصیت اشفاق احمد ہی کی تھی۔ یہ سن 52-1951ء کی بات ہے۔ اشفاق احمد روم پہنچ گئے۔ وہاں ان کی مصروفیت صبح روم یونیورسٹی اور شام کو ریڈیو پر ہوتی تھی۔



وہیں ان کے ساتھ ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس نے اُستاد کی اہمیت کو واضح کیا: ایک روز ان کی کار سے زائد دھواں خارج ہونے پر ان کا چالان ہو گیا۔ وہ تین روز تک وہ چالان کی رقم جو قریبی پوسٹ آفس میں جمع کروانی تھی، بھول گئے۔ بالآخر عدالت سے بلاوا آ گیا۔ وہ عدالت پہنچے تو جج نے ان سے پوچھا کہ آپ نے جرمانے کی رقم ادا نہ کر کے متعلقہ عملے اور عدالت کا وقت کیوں ضائع کیا؟ اشفاق احمد نے جواب دیا کہ میں یہاں اجنبی ہوں اور یہاں کے طریقہ کار سے ناواقفیت کی بناء پر ایسا ہوا۔ جج نے دریافت کیا کہ آپ کیا کرتے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ میں روم یونیورسٹی میں اُستاد ہوں۔

22 اگست 1925ء کو ڈاکٹر محمد خان کے گھر ضلع فیروز پور میں جنم لینے والے اشفاق احمد نے اپنی زندگی میں جو بھی کام کیے، وہ یادگار ہو گئے۔ ان کی وجہ شہرت افسانہ نگار، ڈرامہ نویس اور اُستاد کی حیثیت سے رہی مگر انہوں نے جس شعبے میں بھی کام کیا وہاں اُستاد ہی نظر آئے۔

قیام پاکستان کے وقت وہ بی اے کی سند لے کر لاہور آئے اور دفتر روزگار کی معرفت مہاجر کیمپ میں کلرک کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ وہیں ممتاز مفتی اور محمد شفیع دہلوی بھی موجود تھے۔ ان ہی دنوں ان کی اچانک ملاقات بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح سے ہوئی۔ قائد اعظم نے انہیں حکم دیا کہ یہ روٹی کھا کر دکھاؤ۔ انہوں نے فوراً

ہی ادا کرتے تھے۔ یہ پروگرام ریڈیو پاکستان کی تاریخ کا طویل ترین پروگرام ثابت ہوا۔ اس پروگرام میں معاشرے کے مسائل کو اُجاگر کر کے ان کے حل کی جانب نشان دہی کی جاتی تھی۔

پاکستان ٹیلی ویژن کے لیے انہوں نے کئی اصلاحی ڈرامے لکھے جو شاہکار ثابت ہوئے۔ یہ ڈرامے بے حد مقبول ہوئے۔ ان میں سیریز ”ایک محبت سو افسانے“ اور سیریل ”من چلے کا سودا“ سرفہرست ہیں۔ اپنی زندگی کے آخری تین سال تک وہ پٹی ٹی وی پر پروگرام ”زاویہ“ پیش کرتے رہے۔ ہر ہفتے نشر ہونے والے اس پروگرام میں ان کے ہمراہ نوجوان بیٹھے ہوتے تھے جنہیں وہ اپنے تجربات سے آگاہ کر کے علم و دانش کے موتی لٹاتے تھے۔ بعد میں یہی پروگرام ”زاویہ“ کے نام سے تین کتابی حصوں میں بھی شائع ہوا۔ ”گلداریا“ ان کا مشہور افسانہ ہے۔ ان کی دیگر کتابوں میں اُبلے پھول، تو تار کہانی اور قلعہ کہانی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اپنے ٹی وی پروگرام ”زاویہ“ کا اختتام ہمیشہ وہ اس دُعا کے ساتھ کرتے تھے: اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ آسانیاں بانٹنے والا یہ درویش ہم سے 17 ستمبر 2004ء کو جدا ہو کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔ حکومت پاکستان نے انہیں صدارتی تمغہ حسن کارکردگی، ستارۂ امتیاز اور ہلال امتیاز عطا کیا تھا۔ ☆☆☆

ان کا یہ کہنا تھا کہ جج نے انتہائی ادب سے ان سے کہا کہ آپ جیسے اُستادوں کی بدولت آج ہم اس مقام تک پہنچے ہیں۔ ہماری تعلیم اور ترقی میں اُستاد کا اہم کردار ہے۔ آپ برائے مہربانی آج ہی جرمانے کی یہ رقم جمع کرا دیں۔ عدالت آپ پر مزید کوئی جرمانہ عائد نہیں کرنا چاہتی۔ جب اشفاق احمد جانے لگے تو جج اور عدالتی عملہ انہیں دروازے تک چھوڑنے آئے۔

اُستاد کا ایسا احترام ہی قوموں کو بڑا بناتی ہے۔ بعد میں انہوں نے فرانس سے فرانسیسی زبان میں ڈپلومہ حاصل کیا اور نیویارک (امریکہ) سے ریڈیائی نشریات کی تعلیم حاصل کی۔ روم یونیورسٹی کے بعد جب وہ پاکستان آئے تو اپنا پبلشنگ ادارہ ”داستان سرائے“ اور رسالہ ”داستان گو“ جاری کیا۔

1958ء میں وہ ہفت روزہ لیل و نہار کے مدیر بنے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اورینٹل کالج لاہور میں پنجابی پڑھائی۔ چار سال تک آر سی ڈی کے علاقائی ثقافتی ادارے میں کام کیا۔ ان کی ملازمت کا آخری دور اُردو سائنس بورڈ پر جا کر ختم ہوتا ہے جہاں انہوں نے 23 سال تک کام کیا۔ وہاں انہوں نے سائنس کے مضامین کو اُردو کے قالب میں ڈھالنے کے لیے کئی اقدامات کیے اور اُردو زبان کو سائنس کی کئی قیمتی ترجمہ شدہ کتابوں کے ذخیرہ سے مالا مال کیا۔ انہوں نے ریڈیو پر ایک کردار تلقین شاہ تخلیق کیا جسے وہ خود

آئو بچو کھائی لکھیں!

پیارے بچو! آپ یہ جو اچھی اچھی کہانیاں اپنے اس پیارے رسالے میں پڑھتے ہیں تو کیا آپ نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ آپ کے یہ محبوب لکھاری آپ کے لیے اتنی اچھی اچھی کہانیاں کیسے لکھ لیتے ہیں.....؟ نہیں! تو آئیں ہم آپ کو بتائیں کہ کہانیاں کیسے لکھی جاتی ہیں۔ کہانی لکھنے کے لیے سب سے پہلے تو اس کا خاکہ دماغ میں سوچا یا بنایا جاتا ہے یا اس کا بنیادی خیال سامنے رکھا جاتا ہے۔ تقریباً تمام کہانیاں کوئی نہ کوئی اخلاقی یا تعمیری سبق اپنے اندر رکھتی ہیں۔ بچے عام طور پر حیرت انگیز واقعات اور بہادری سے بھرپور قصے بڑی دل چسپی سے پڑھتے ہیں۔ پریوں، پرستان، جنوں، شہزادوں وغیرہ کی داستانیں بھی ان کو بہت پسند آتی تھیں۔ کسی بھی قسم کی کہانی لکھنے کے لیے چار بنیادی باتیں اور اہم ترین نکات یہ ہیں: 1۔ بنیادی خیال 2۔ مختصر خاکہ 3۔ مزے دار اور دل چسپ انداز بیان 4۔ اخلاقی فائدہ یا نتیجہ و انجام۔

بچو! ایک اور اہم بات ہمیشہ ذہن میں رکھیں کہ کہانی اور مضمون میں ایک خاص فرق ہوتا ہے۔ مضمون لکھنے میں عموماً یہ کوشش کی جاتی ہے کہ وہ مذاق اور دل لگی کی باتوں سے پاک ہو، سنجیدگی پر مشتمل ہو جب کہ کہانیوں میں فرضی کرداروں اور واقعات کو اس قدر دل چسپ اور چٹ پٹا بنا کر پیش کیا جاتا ہے کہ پڑھنے والا اس سے لطف اندوز ہونے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ بچو! ابھی اگر آپ کوئی کہانی لکھیں گے تو اس میں لطف اور چٹ پٹا پن پیدا کرنے کے لیے آپ کو خوب مہارت اور مشق کی ضرورت پیش آئے گی۔ مہارت حاصل کرنے کا سب سے بہترین ذریعہ یہ ہے کہ آپ اچھی اچھی کہانیوں کی کتابوں اور رسائل کا فارغ اوقات میں خوب مطالعہ کریں۔ ان میں دی گئی کہانیوں کے طرزِ تحریر پر خوب غور کیا کریں۔ اس سے نہ صرف آپ کی اُردو انشا پر دازی بہتر ہوگی، بلکہ آپ کی اخلاقی تعمیر و تربیت بھی خوب سے خوب تر ہوتی چلی جائے گی۔

(ڈاکٹر نعیم احمد ادیب)

بچو! امید ہے کہ اب آپ بہتر طور پر کہانی لکھنے کی کوشش کر سکیں گے۔

کھولیں گے۔“ بچوں نے مس حریم کی بات مان لی۔ وہ ہر وقت اپنے ٹھانڈوں والے بیگ کو ساتھ لیے پھرتے لیکن تیسرے ہی دن بچے اس کھیل سے اکتا گئے کیوں کہ ایک تو ٹھانڈا گلنے سڑنے کی وجہ سے تعفن پیدا کر رہے تھے اور دوسرا جن کے پاس ٹھانڈا زیادہ تھے وہ اس بوجھ کو اٹھانے سے بے زار تھے۔ سب بچوں نے مس حریم کو کھیل ختم کرنے کا کہا۔

”ٹھیک ہے بچو! ہم اس کھیل کو ہمیں ختم کر دیتے ہیں۔ پہلے آپ سب یہ بیگزام باہر پڑے کوڑے والے ڈرم میں ڈال کر آئیں۔ سب بچے فوراً بیگ ڈرم میں ڈال کر ہاتھ دھو کر آئے تو ان کے چہروں پر تازگی کے ساتھ ساتھ تجسس بھی تھا اور وہ منتظر تھے کہ وہ اس کھیل کا مقصد اور نتیجہ جان سکیں۔ مس حریم نے سب بچوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”بچو! آپ نے دیکھا کہ آپ جتنے لوگوں سے نفرت کرتے ہیں ان کی علامت کے طور پر ٹھانڈا ساتھ رکھنا کتنا مشکل اور تکلیف دہ کام ہے۔ جب ہم کسی سے نفرت کرتے ہیں تو اس کا احساس ہمارے دل میں رہتا ہے۔ یہ احساس، یہ سوچ ان ٹھانڈوں کی طرح جب کئی دنوں تک پڑی رہتی ہے تو بدبو پیدا کر دیتی ہے، تعفن پھیلا دیتی ہے۔ ذرا سوچئے! ہم کتنے مہینوں اور سالوں سے یہ بدبو بھرا اور تعفن زدہ احساس اپنے دل میں لیے پھر رہے ہیں۔ کیا ہمارا دل اس سے نہیں اکتاتا؟ کیا اس گندگی سے ہمارے دل و دماغ میلے نہیں ہو جاتے؟

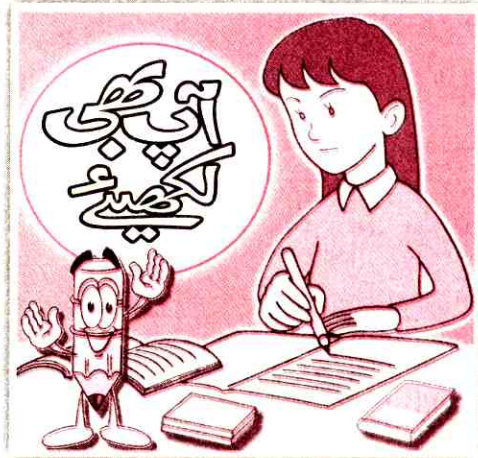
اگر ہم بدبو اور تعفن کی جگہ محبت جیسا خوشبو انگیز احساس دل میں رکھیں تو ہمارا دل خوش نہیں ہوگا؟ ہمیں چاہیے کہ نفرتوں کا بوجھ اٹھانے کی بجائے محبت کی خوشبو میں زندہ رہیں۔“ مس حریم کی بات سب بچوں کے دل کو لگی۔ تمام بچوں نے آئندہ نفرت کے بوجھ تلے دبنے کی بجائے محبت سے رہنے کا فیصلہ کیا۔

(پہلا انعام: 195 روپے کی کتب)

چھوٹا سا پرچم

(اخت ولید، راول پنڈی)

”شیب، مالٹا، انگوڑ.....“ ننھا عمر مزے سے کاپی پر تصویریں بناتا ہوا گنگنا رہا تھا۔ اچانک اس کی گنگناٹ تبدیل ہو گئی۔ ”یہ امی..... یہ ابو..... یہ آپنی..... یہ.....“ وہ چھوٹا سا دائرہ بنا کر نیچے لمبی لکیروں سے ٹانگیں بنا رہا تھا۔



بوجھ

(اقراء، سیف، فیصل آباد)

بہت سال پہلے جنت پور گاؤں میں ایک سرکاری اسکول بنایا گیا تھا۔ اس پورے گاؤں میں ایک ہی اسکول ہونے کی وجہ سے چوہدریوں اور مزارعوں کے بچے ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے جس سے امیری غریبی کا فرق مٹ گیا تھا۔ سب ہنسی خوشی زندگی گزار رہے تھے۔ ہر طرف محبتیں ہی محبتیں تھیں۔ نفرت کا دور دور تک کوئی گزر نہیں تھا کہ اچانک اسکول میں بچے ایک دوسرے سے لڑنے لگے۔ محبتیں کہیں کھو گئیں اور نفرتوں نے جگہ لے لی۔ مس حریم جو اس اسکول کی پرنسپل تھی، وہ اس ساری صورت حال سے بہت پریشان تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ پورے اسکول کو محبتوں کا درس دیں اور نفرتیں مٹا دیں لیکن کوئی ایسی صورت ہو جس سے بچے سبق حاصل کریں۔ بہت سوچنے کے بعد مس حریم نے ایک کھیل تجویز کیا۔ انہوں نے اسکول کے تمام بچوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ ”پیارے بچو! آج ہم ایک کھیل کھیلیں گے۔ آپ جتنے لوگوں سے نفرت کرتے ہیں، اتنے اتنے ٹھانڈا ایک پلاسٹک بیگ میں ڈال کر کل اسکول لائیں گے۔“ تمام بچے کھیل کا سن کر پرجوش ہو گئے۔

اگلی صبح سب بچے جتنے لوگوں سے نفرت کرتے تھے، اتنے اتنے ٹھانڈا پلاسٹک بیگ میں ڈال کر لے آئے۔ کسی کے بیگ میں دو ٹھانڈے تھے اور کسی میں پانچ۔ مس حریم نے سب بچوں کے بیگز دیکھنے کے بعد کہا۔

”اب ان پلاسٹک بیگز کو مضبوطی سے بند کر دیں۔ انہیں ہر وقت آپ نے اپنے ساتھ رکھنا ہے اور پورے ایک ہفتے بعد ہم انہیں

اسی اثناء میں اسماء اندر داخل ہوئی۔

”عمر! کیا کر رہے ہو؟“ اس نے ڈانٹ کر پوچھا۔ عمر سہم گیا اور جونہی اسماء کی نظر اس کے ”شاہ کاروں“ پر پڑی تو ایک زور دار تھپڑ اڑھائی سالہ عمر کے گال پر پڑا۔ ”بدتمیز! میری ساری کاپی خراب کر دی ہے۔“ عمر کے حلق سے ایک آواز نکلی اور پھر وہ روتا چلا گیا۔ امی نے چونک کر باورچی خانے کے دروازے کی طرف دیکھا اور پھر تیزی سے نکل کر عمر کو اٹھالیا۔ اسماء بستر پر منہ بنائے لیٹی تھی۔

”کیا ہوا ہے عمر کو؟“ انہوں نے اسماء سے پوچھا۔

”عمر نے میری ساری کاپی گندی کر دی ہے۔ میں اسے کیسے مٹاؤں؟“ وہ روہانسی ہو گئی۔

”اسماء اتنی سی بات پر عمر کو مارا ہے؟“ امی نے تاسف سے کہا۔

”امی جی! اتنی سی بات نہیں ہے۔ مس سلی جو ڈنڈے ماریں گی، وہ کون کھائے گا؟“ اسے کافی غصہ تھا۔ امی بغیر جواب دیے باہر آ گئیں۔ انہیں معلوم تھا کہ اسماء غصے میں ہے اور وہ غصے میں بات نہیں سمجھے گی۔

اگلے دن اتوار تھا۔ اسماء ناشتا کر کے برآمدے میں آ گئی۔ جویریہ باجی برآمدے میں بیٹھی کڑھائی کر رہی تھیں۔ وہ پاس بیٹھ کر سبق یاد کرتے ہوئے دل چسپی سے انہیں دیکھنے لگی۔ کسی کام سے باجی انھیں تو اس نے چپکے سے دو چار ٹانگے بھر دیے۔ باجی واپس آ کر دوبارہ کڑھائی کرنے لگیں۔ ”اسماء! یہ ٹانگے آپ نے بھرے ہیں؟“ باجی نے پوچھا۔ ”جج..... جی باجی!“ اسماء ڈر گئی۔

”غلط بھرے ہیں۔ ابھی تمہیں کڑھائی نہیں کرنی آتی۔“ باجی مسکرا رہی تھیں۔ وہ جھک کر ٹانگے ادھیڑنے لگ گئیں۔ اسماء کو بہت حیرت ہوئی کہ باجی نے اسے مارنا تو درکنار، ڈانٹا تک نہ تھا۔ آخر اس سے رہا نہ گیا۔ ”باجی ایک بات پوچھوں؟ آپ نے مجھے ڈانٹا کیوں نہیں؟“

”اس لیے کہ آپ کو کڑھائی کا طریقہ نہیں آتا تھا لیکن آپ کو شوق تھا۔ اگر میں آپ کو ڈانٹ دیتی تو آپ دوبارہ کبھی کڑھائی نہ کرتی۔“ اسماء نے سوچا کہ میں نے بھی تو کل عمر کو لکھنے پر تھپڑ مارا تھا۔ وہ بھی تو نا سمجھ ہے لیکن اسے شوق تو تھا، کیا اب وہ دوبارہ کبھی نہیں لکھے گا؟

”باجی..... باجی! میں نے کل عمر کو ڈانٹا تھا۔ وہ دوبارہ ساری

زندگی نہیں لکھے گا۔ باجی وہ تو ان پڑھ رہے گا۔“ اسے رونا آ گیا۔

باجی کہنے لگیں: ”نہیں اسماء! وہ ابھی چھوٹا ہے۔ دوبارہ لکھے گا مگر جب اسے بار بار ڈانٹا اور مارا جائے گا تو وہ لکھتے ہوئے ڈرے گا۔“ اسماء کو ذرا تسلی ہو گئی۔ ”اسماء آپ نے وہ حدیث پڑھی ہے کہ جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں۔ (جامع ترمذی) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری محبوب ترین شخصیت ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پر مارنے سے بھی منع فرمایا ہے۔“

”باجی مجھے تو اس بات کا علم نہیں تھا کہ منہ پر نہیں مارتے۔ میں آئندہ عمر کو نہیں ماروں گی، لیکن وہ میری کتابیں گندی کر دیتا ہے۔“ اسماء آپ اپنا بستہ سنبھال کر رکھا کروناں اور اس کو فالتو کاپی اور پنسل دے دو تاکہ وہ بھی خوش ہو جائے۔ کسی کو خوش کرنا بھی تو نیکی ہے ناں۔“ باجی کی ان باتوں سے اسماء کی پریشانی دُور ہو گئی اور وہ عمر کو فالتو کاپی پنسل دینے چل دی۔

پیارے بچو! کہیں آپ بھی تو اسماء کی طرح نہیں کرتے؟ اگر ایسا ہے تو جائے جلدی سے فالتو کاپی پنسل لے کر!!..... عمر تو پڑھ لکھ جائے گا کہیں آپ کے بہن بھائی ان پڑھ نہ رہ جائیں۔

(دوسرا انعام: 175 روپے کی کتب)



(حصہ اعجاز، صوالی)

نعمان اور دانش دو بھائی تھے۔ دونوں بہت پیارے تھے۔ نعمان نہایت تمیز دار تھا۔ نعمان صبح سویرے اٹھتا، وضو کر کے نماز ادا کرنے مسجد جاتا تھا۔ مسجد سے واپس آ کر قرآن پاک کی تلاوت کرتا اور ناشتا کر کے اسکول کو چلا جاتا۔ نعمان دانش کو جگاتا تا کہ وہ نماز ادا کرنے مسجد جائے لیکن دانش دیر تک سوتا۔ جب اسکول کا وقت ہوتا تو دانش جلدی جلدی اٹھتا اور ناشتا کر کے اسکول کو چلا جاتا تھا۔ اسکول سے واپس آ کر نہ سلام کرتا، نہ بستہ اپنی جگہ پر رکھتا۔ یونی فارم اُتار کر چارپائی پر پھینک دیتا اور چلا نا شروع کر دیتا کہ یہ کیسا کھانا پکایا ہے؟ یہ کیوں پکایا ہے؟ میں یہ نہیں کھاؤں گا۔ نعمان اسکول سے واپس آ کر سلام کرتا، بستہ اپنے کمرے میں رکھتا، یونی فارم اُتار کر الماری میں لگاتا اور منہ ہاتھ دھو کر آرام سے کھانا کھا کر اللہ کا شکر ادا کرتا تھا۔ ایک دن امی نے دانش سے کہا: ”آج اسکول میں میٹھا پرائیڈ لے کر جاؤ کیوں کہ دو دن سے گوشت نہیں ملا، اس لیے آج

میں ایک دوسرے کو متخائف دے رہے تھے مگر عدیل اپنی سیٹ پر ہمیشہ کی طرح خاموشی سے ان کو دیکھ رہا تھا۔

عدیل ایک درمیانے طبقے سے تعلق رکھنے والا لڑکا تھا۔ اس کے والد ایک سرکاری دفتر میں کلرک تھے۔ وہ چھ بہن بھائی تھے۔ عدیل ان میں سب سے بڑا تھا۔

عدیل کے والد نے بڑی مشکل سے پیسے جمع کر کے اس کے چھوٹے بہن بھائیوں کے کپڑے تو بنا دیے تھے مگر عدیل کے کپڑے نہیں بنا سکے تھے۔ عدیل اس بات سے ناخوش تھا۔

اسکول سے گھر جا کر عدیل نے کھانا نہیں کھایا، کسی سے بات بھی نہیں کی۔ رات کو ابو آئے تو اس نے ابو سے عید کے کپڑوں کی فرمائش کی۔ یہ سن کر اس کے ابو اداس ہو گئے اور اسے بتایا کہ ہم پہلے ہی بہت مشکل سے گزارہ کر رہے ہیں اور قرض دار ہیں۔ عدیل غصے سے اپنے ابو کے پاس سے اٹھ گیا۔ اس نے سوچا، عید آنے میں چھ دن باقی ہیں۔ میں تھوڑا بہت کام کر کے اتنے پیسے کمالوں گا کہ اپنے کپڑے بنا سکوں۔ اس نے اپنے استاد سے درخواست کر کے ایک ہفتے کی چھٹی لے لی اور ایک دکان والے سے بات کر کے ساٹھ روپے روزانہ کام پر لگ گیا۔

اس نے پانچ دنوں میں تین سو روپے جمع کر لیے۔ وہ بہت خوش تھا۔ اس نے سوچا، میں امی ابو کو بتائے بغیر کپڑے اور جوتے خرید لوں گا اور اچانک بتا کر حیران کر دوں گا۔ چنانچہ وہ بازار گیا۔ اس نے ایک دکان پر بہت خوب صورت جوتے دیکھ کر ان کی قیمت پوچھی تو اس کا منہ کھلا رہ گیا، کیوں کہ ان جوتوں کی قیمت 500 روپے تھی۔

اب عدیل کی سمجھ میں آیا کہ اس کے والدین کیوں اتنے پریشان رہتے ہیں۔ اس وقت عدیل کو اپنے 300 روپے بہت کم لگ رہے تھے۔ اس نے سوچا کیوں نہ کم قیمت والے کپڑے لیے جائیں لیکن پھر اپنا خیال جھٹک کر آگے چل پڑا۔

وہ جنرل اسٹور پر گیا اور اس نے پانچ کلو آنا، دو کلو گھی، ایک کلو چاول، آدھ کلو سویاں اور آدھ کلو چینی خریدی۔

جب وہ گھر پہنچا تو اسے اپنے کیے ہوئے کام پر اور زیادہ خوش ہوئی کیوں کہ آج اس کے گھر میں کھانے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ پہلی تاریخ آنے میں چار دن باقی تھے۔ عدیل کے ابو کسی سے

کباب نہیں بنائے۔“ دانش زور سے بولا: ”نہیں میں بیٹھا پراٹھا نہیں کھاؤں گا۔ مجھے بیٹھا پراٹھا پسند نہیں۔“ امی نے پیار سے کہا: ”بیٹا صرف آج لے جاؤ، نعمان بھی لے کر گیا ہے۔“ ”نہیں، میں نہیں لے کر جاؤں گا۔“ اتنے میں اسکول کی بس آگئی اور دونوں بھائی اللہ حافظ کہہ کر اسکول چلے گئے۔ اسکول میں تفریح کے وقت سب بچے اپنا اپنا لٹچ بکس کھول کر کھانے لگے تو دانش ان کے لٹچ بکس کو دیکھنے لگا۔ اس وقت دانش کو بہت بھوک محسوس ہونے لگی۔ وہ سوچنے لگا کہ کاش میں بھی بیٹھا پراٹھا لے آتا تو آج میں بھی سب بچوں کی طرح اپنا لٹچ بکس کھول کر مزے سے کھانے لگتا۔ دانش نعمان کے پاس گیا اور کہا: ”پلیز بھائی! مجھے تھوڑا سا پراٹھا دے دیں، مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔“ دانش کو یہ کہتے ہوئے بڑی شرم آ رہی تھی۔ نعمان نے کہا: ”ہاں! کیوں نہیں، جتنا مرضی کھا لو لیکن آئندہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری نہیں کرو گے۔“ ”جی بھائی، میں آئندہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری نہیں کروں گا۔“ دانش نے جواب دیا۔ دانش بہت شرمندہ تھا کیوں کہ ایک تو صبح اس نے اپنی امی سے بدتمیزی کی تھی اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی ناشکری کی تھی۔ گھر جا کر دانش نے سب سے پہلے سلام کیا، پھر آرام سے بستہ بھائی کی طرح اپنے کمرے میں رکھا اور منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھایا۔ کھانا کھاتے دانش نے امی سے معافی مانگی اور اپنے بھائی کا شکریہ ادا کیا۔ ”امی میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں آئندہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا۔“ امی خوش ہو کر بولیں: ”اللہ کا شکر ہے کہ تم بھی اپنے بھائی کی طرح اچھے بچے بن گئے ہو۔“

آئیے! ہم سب عہد کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری نہیں کریں گے بلکہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنی زیادہ نعمتوں سے نوازا ہے۔

(تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب)

چچی خوشی

(صوفیہ عبداللہ پشاور)

رمضان کا بابرکت مہینہ تھا اور عید بھی قریب تھی۔ سب بچے اپنے امی ابو کے ساتھ بازار جا رہے تھے اور اپنی پسند کے کپڑے، جوتے وغیرہ لا رہے تھے۔ بچے اسکول میں ہم جماعتوں سے اپنے کپڑوں اور جوتوں کی خوب تعریفیں کرتے تھے۔

بچوں کو عید کا انتظار تھا۔ جماعت کے سب بچے عید کی خوشی

قرض لینے گئے تھے۔ عدیل نے تمام سامان اپنی امی کے ہاتھ میں دے دیا اور شروع سے آخر تک تمام واقعہ بیان کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کے والد بھی پریشانی کے عالم میں گھر واپس آ گئے مگر عدیل کی محنت کا واقعہ سن کر ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلکنے لگے۔ (چوتھا انعام: 115 روپے کی کتب)

نصیب جاگ اٹھا

(محمد معوذ الحسن، ڈیرہ اسماعیل خان)

ایک دن عقل اور نصیب آپس میں جھگڑ پڑے۔ عقل کہنے لگی: ”میرے بغیر انسان کی کوئی طاقت نہیں۔“ نصیب کہنے لگا: ”ذرا غور سے سن! عقل کے بغیر تو گزارا ہو ہی جاتا ہے لیکن جس شخص کا نصیب سویا ہوا ہو اسے ہر کوئی حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ مفلس اور غریب کہلاتا ہے۔ دوسری طرف جس شخص کا نصیب جاگ رہا ہو، ہر کوئی اس کی عزت کرتا ہے، وہ امیر کہلاتا ہے۔“ عقل نے کہا: ”بحث کرنے سے کیا حاصل، فلاں گاؤں میں نہایت ہی غریب جاٹ رہتا ہے۔ میں جاٹ کی کھوپڑی سے غائب ہو جاتی ہوں اور تم اس میں داخل ہو جاؤ، پھر دیکھتے ہیں کہ کون بڑا ہے۔“ جاٹ اپنی زمین تیار کر رہا تھا۔ جب اس نے کھیت میں بیج بویا تو اس کی فصل لہلہا اٹھی۔ مکنی کے سٹے ہیرے جواہرات میں تبدیل ہو گئے۔ جاٹ کا نصیب جاگ اٹھا۔ وہ خوش ہونے کی بجائے بدحواس ہو گیا۔ وہ سیدھا اپنے گھر پہنچا۔ اپنی بیوی کو سارا ماجرہ کہہ سنایا۔ اس نے اپنی فصل کو جلد از جلد بیچنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک دن چند سوداگر اس کے گھر آئے۔ جاٹ نے اونے پونے داموں میں فصل فروخت کر دی۔ جب سوداگروں نے فصل کی بجائے ہیرے جواہرات دیکھے تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ انہیں جاٹ کی کم عقلی پر ترس آنے لگا۔ جب یہ خبر بادشاہ تک پہنچی تو اس نے جاٹ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ بادشاہ کے آدمی جاٹ کے گاؤں آ پہنچے۔ جب انہوں نے جاٹ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو جاٹ نے اندر ہی سے جواب دیا۔ ”دیکھو بھئی، سودا ایک دفعہ ہوتا ہے۔ انسان کی زبان بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ اب تم فصل واپس کرنا چاہتے ہو، یہ نہیں ہو سکتا۔“ آدمی جاٹ کی باتیں سن کر ہنسنے لگے۔ انہوں نے کہا: ”بھئی ایسی

کوئی بات نہیں، ہم تو تمہیں لینے آئے ہیں۔ بادشاہ سلامت نے آپ کو طلب کیا ہے۔“ جاٹ بے عقل تو تھا ہی، وہ بڑی بدتمیزی سے بولا: ”بادشاہ سلامت کو کیا تکلیف ہے جو مجھے بلا رہے ہیں۔“ ”ہمیں خود بھی علم نہیں، بس تم ہمارے ساتھ چلو۔ وہاں ایک بات کا خیال رکھنا جو سوال وہ تم سے کریں، بس اچھا جی کہہ دینا۔“ ”ٹھیک ہے جی۔“ جاٹ نے رضا مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ جاٹ بادشاہ کے دربار میں آ گیا۔ دربار میں داخل ہوتے ہی اس نے قلابازیاں کھانا شروع کر دیں۔ ابھی اس کی ٹانگیں اوپر اور سر نیچے تھا کہ بادشاہ بڑے طمطراق سے دربار میں داخل ہو گیا۔ جاٹ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، بادشاہ کے گلے لگ گیا۔ بادشاہ اپنی جان چھڑانا چاہتا تھا لیکن جاٹ اس سے چمٹا رہا۔ آخر بادشاہ کے ملازموں نے جاٹ کو بڑی مشکل سے سمجھایا۔ ”اچھا بھئی سنا ہے کہ تمہارے کھیتوں میں ہیرے جواہرات اُگ آئے ہیں۔“ بادشاہ نے پوچھا۔ ”اچھا جی!“ جاٹ نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔ ”تم روزانہ کتنے گھنٹے محنت کرتے ہو۔“ ”اچھا جی!“ جاٹ نے پھر کہا۔ جاٹ نے جب اچھا جی کی رٹ لگائی تو بادشاہ سمجھ گیا کہ اس کے سارے پیچ ڈھیلے ہیں۔ ایک طرف دولت کے انبار تھے۔ ہیرے جواہرات کے ٹوکڑے دیکھ کر بادشاہ کی آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں۔ آخر بادشاہ نے جاٹ کو اپنا داماد بنا لیا۔ جاٹ اپنی بیوی کو گھور رہا تھا۔ بیوی نے کرسی خالی کر دی اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ جاٹ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد جاٹ نے کرسی چھوڑ دی۔ اس کی بیگم فوراً بیٹھ گئی۔ یہ سلسلہ کئی گھنٹوں تک چلتا رہا۔ جاٹ پاگلوں جیسی حرکتیں کر رہا تھا۔ وہ اس انتظار میں تھا کہ کب صبح ہو اور وہ وہاں سے فرار حاصل کرے۔ جوں توں کر کے اس نے رات کاٹی۔ صبح اس نے فرار ہونا تھا۔ محل کے ہر دروازے پر پہرا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ پکڑا نہ جائے۔ منزل بھی تیسری تھی اور سامنے کھڑی تھی۔ اس نے سوچا، یہ راستہ بہت مناسب رہے گا۔ جب وہ چھلانگ لگانے لگا تو نصیب عقل سے کہنے لگا۔ ”بڑی بی تمہیں سلام۔“ اسے کیا خبر کہ وہ کیا کر رہا ہے، مفت میں اپنی جان کا دشمن بن رہا ہے۔ عقل جاٹ کی کھوپڑی میں داخل ہو گئی۔ جاٹ زور سے چیخ مار کر پیچھے ہٹ گیا۔ اب وہ بہت خوش تھا، وہ اپنی بیوی کو لے کر گاؤں آ گیا۔ (پانچواں انعام: 95 روپے کی کتب)

اگست اور ستمبر کا شمار بہت پسند آیا۔ میں نے اگست میں بھی ایک خط لکھا تھا مگر افسوس میرا نام شائع نہیں ہوا۔ اس بار میرا دوسرا خط ہے تو پلیز میرا نام رسالے میں شائع کر دیں۔ ایم ایم عالم، اذان، سبق اور اصول کی پاس داری کہانیاں مجھے بہت پسند آئیں۔ میری دعا ہے کہ تعلیم و تربیت ہمیشہ سورج کی طرح روشن اور چاند کی طرح خوب صورت رہے۔ آمین! (احمد یار، لاہور)

ایڈیٹر صاحب! کیا حال ہے؟ اس ماہ بہت دیر بعد شرکت کر رہی ہوں۔ امید ہے کہ آپ کو میری کمی ضرور محسوس ہوئی ہوگی۔ جب سے اسکول شروع ہوئے ہیں لکھنے کا ناٹم ہی نہیں ملتا۔ اوپر سے رسالہ بھی دیر سے ملتا ہے۔ خیر اس بار رسالہ جلدی مل گیا۔ تمام کہانیاں لا جواب تھی۔ نظمیں ایک سے بڑھ کر ایک خوب صورت تھیں۔ سلسلہ میری بیاض سے بھی لا جواب ہے۔ شاہ فیصل مسجد کے بارے میں معلومات میں اضافہ ہوا۔ مجھے خط شائع ہونے کا انتظار رہے گا۔ (ثمرہ طارق بٹ، آرہو، گوجرانوالہ)

☆ امید ہے کہ آپ باقاعدگی سے شرکت کریں گی۔

میں خیریت سے ہوں، امید کرتی ہوں کہ آپ بھی خیریت سے ہوں گے۔ ستمبر کا شمار بہت ہی زبردست تھا۔ خاص طور پر ناول ”دولت پور میں“ بہت پسند آیا اور اس کی آئندہ قسط کا بہت بے چینی سے انتظار کرتی ہوں۔ آپ سے ایک فرمائش ہے کہ آپ کچھ خوف ناک کہانیاں بھی اپنے شمارے میں شامل کریں۔ مجھے Horrible کہانیاں بہت پسند ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری فرمائش کو رد نہیں کریں گے۔ (فاطمہ نوید ملک، لاہور)

عابدہ! کیا حال ہے آپ کا؟ امید ہے آپ ٹھیک ہوں گی۔ پلیز! آپ اتنا تو بتا دیں کہ میری دو کہانیاں جو میں نے بھیجی تھیں، ”عظیم بیچہ“ اور ”ٹیلی ویژن“ کیا وہ قابل اشاعت ہیں۔ آپ سب کو ”بکرا عید“، یعنی عید الاضحیٰ مبارک ہو جو 6 اکتوبر کو آنے والی ہے۔ خوش رہیں، شاد رہیں اور میرے امتحانات کے لیے دعا کرتے رہیں۔ میرا خط ضرور شائع کیجئے گا۔ (مہلب شہباز، گوجرانوالہ)

☆ آپ دفتر کے ٹیلی فون کے ذریعے رابطہ کریں۔

ڈیئر ایڈیٹر، السلام علیکم! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ سب سے پہلے تو میں معذرت چاہتی ہوں کہ میں کافی عرصے سے سلسلوں میں حصہ نہیں لے رہی تھی۔ ستمبر میں میرے بھائی کی سالگرہ تھی۔ ستمبر کا شمار معلومات افزا تھا۔ ناول ”دولت پور میں“ جلدی ختم کریں کیوں کہ مجھے جانتا ہے کہ آخر میں کیا ہوتا ہے۔

(زارا وہاب، اسلام آباد)

آپ کے ادارے سے وابستہ شخص کو سلام۔ ستمبر کا شمار پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ خاص طور پر خوف، اذان، سبق، شیر اور دلیر، اصول کی پاس داری اور آپ بھی لکھیے، کی کہانیاں پسند آئیں۔ میں ساتویں جماعت میں پڑھتا ہوں۔ آپ کا یہ رسالہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے بہت فائدہ مند ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر نصیب فرمائے۔ (ابوبکر صدیق، بھکر)

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ ستمبر کا شمار ٹاپ پر تھا۔ تمام کہانیاں



مدیر تعلیم و تربیت! السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟

میری طرف سے تعلیم و تربیت کی پوری ٹیم کو آداب۔ امید کرتی ہوں میرا خط ردی کی ٹوکری میں نہیں جائے گا۔ خط ایک دفعہ پہلے بھیجا تھا مگر شائع نہیں ہوا۔ تمام کہانیاں زبردست تھیں۔ سرورق ہمیشہ ٹاپ پر ہوتا ہے۔ میری عمر بارہ سال ہے۔ میں تقریباً ایک سال سے تعلیم و تربیت پڑھ رہی ہوں۔ آپ نے مجھے خوش آمدید نہیں کہا لیکن اب اگر میرا خط شائع نہیں ہوا تو میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گی۔ میری حوصلہ افزائی کریں تاکہ آئندہ حصہ لے سکوں۔ شکریہ! ☆ آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ سلسلوں میں بھی حصہ لیجیے۔

(عائشہ اشفاق، بھالیہ)

السلام علیکم! ستمبر کا شمار بہت اچھا تھا۔ میں نے فرسٹ ڈویژن میں میٹرک پاس کیا ہے۔ میں چار ماہ پہلے بغداد اور سعودی عرب سے ہو کر آئی ہوں۔ مجھے وہاں بہت مزہ آیا ہے۔ کیا آپ کو میری کمی محسوس نہیں ہوئی۔ میں آئندہ کہانیاں بھیجوں گی، پلیز شائع کیجئے گا۔ شکریہ! (شہر بانو نعیم، گوجرانوالہ)

☆ جی ہاں! آپ کی کمی محسوس ہوئی۔ کہانیاں ضرور بھیجیں۔

السلام علیکم! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ مجھے آپ سے ایک شکایت ہے کہ مجھے رسالہ بہت دیر سے ملتا ہے، اس لیے میں کچھ لکھ نہیں پاتی۔ پلیز رسالہ جلدی شائع کیا کریں۔ میری بہت سی سہیلیاں یہ رسالہ پسند کرتی ہیں اور خط لکھ رہی ہیں۔ پلیز ان کے اور میرا خط شائع کر دیں۔ (ایمان علی، راول پنڈی)

السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟ ہم پہلی بار خط لکھ رہے ہیں۔ ہمیں آپ کا رسالہ تعلیم و تربیت بہت پسند ہے۔ ہم اسے بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ آپ خط کو پلیز ردی کی ٹوکری میں نہ پھینکنے کا، ورنہ ہمارا دل ٹوٹ جائے گا۔

(اقراء ودان، مریم عتیق، راول پنڈی)

میں تعلیم و تربیت تین سال سے بڑے شوق سے پڑھ رہا ہوں۔ مجھے آپ سے ایک شکایت ہے کہ رسالہ بہت دیر سے ملتا ہے۔ میری لکھائی کیسی ہے؟

(ابرار اللہ، کوئٹہ)

اچھی تھیں۔ خاص طور پر پرانا چیک، سبق، خوف اور اذان بہت اچھی تھیں۔ میں نے کہانی بھی بھیجی تھی۔ پلیز! شائع کر دیں اور میرا خط بھی ضرور شائع کیجئے گا۔
(لائب شہزاد، راول پنڈی)

☆ کہانی کے سلسلے میں دفتر کے ٹیلی فون پر رابطہ کریں۔

امید ہے کہ آپ کی پوری ٹیم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ٹھیک ٹھاک ہوگی۔ ماہ ستمبر کا شمارہ بہت منفرد تھا۔ میں پچھلے ایک سال سے آپ کا رسالہ پڑھ رہا ہوں۔ مجھے ماہ ستمبر کی تمام کہانیاں اچھی لگیں۔ سلسلہ وار ناول دولت پور میں اور فاختر اور کبوتر دونوں کہانیاں سپر ہٹ تھیں۔ میں پہلی بار آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔ مہربانی فرما کر اس شمارے میں ہمارے خط کو ضرور جگہ دینیے گا۔ مہربی لکھائی کیسی ہے؟
(محمد عرفان، یونس خان بلوچ، فوجن آباد)

السلام علیکم! آپ کیسے ہیں؟ ماہ ستمبر کا شمارہ سپر ہٹ تھا لیکن مزاحیہ تحریروں کی کمی تھی۔ آپ کب یہ کمی پوری کریں گے۔ رسالہ لیٹ آنے کی وجہ سے دو ماہ انعامی مقابلوں میں شریک نہیں ہو سکا۔ پلیز! آپ میرا خط شائع کیجئے گا۔ اللہ حافظ!

تعلیم و تربیت ہمیشہ کی طرح اس مہینے بھی سپر ہٹ تھا۔ اذان، شیر اور دلیر، فاختر اور کبوتر، پیارے اللہ کے پیارے نام بہت اچھی لگیں۔ مجاہدہ کہانی پڑھ کر تو مزہ ہی آ گیا۔ سلسلہ وار ناول بہترین چل رہا ہے۔ میرا خط ضرور شائع کریں تاکہ آئندہ بھی حصہ لوں۔ میں چار سال سے باقاعدگی سے رسالہ پڑھ رہی ہوں لیکن کبھی بھی مایوس نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ و تربیت کو دن و گئی اور رات چگنی ترقی دے۔ آمین!

(ایضہ احسان، سیال کوٹ)

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ میں پچھلے چار پانچ مہینوں سے شمارے میں حصہ نہیں لے رہا ہوں، معافی چاہتا ہوں۔ ستمبر کے شمارے کے کیا ہی کہتے، سرورق سے لے کر ہونہار مصور تک اتنا اچھا کہ تعریف کے لیے الفاظ ہی نہیں ملتے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ٹیم کو اور رسالے کو دن و گئی رات چگنی ترقی عطا کرے۔ (آمین) بڑی امید سے خط لکھ رہا ہوں۔ شائع نہ کر کے دل نہ توڑیں۔ امید ہے ضرور شائع کریں گے۔
(رانا ہلال احمد، کوٹلہ جام)

ستمبر کا شمارہ لا جواب تھا۔ تمام کہانیاں بہت خوب صورت تھیں۔ ہم دونوں بھائی تین سال سے یہ رسالہ پڑھتے ہیں لیکن پہلی مرتبہ خط لکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تعلیم و تربیت کو دن و گئی اور رات چگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین!

(حافظ حفیظ حیدر، حافظ غلام محمد، آزاد کشمیر)

آپ کی اور ادارے سے وابستہ ہر شخص کی خیریت نیک مطلوب ہے۔ ستمبر کا شمارہ پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ خاص طور پر خوف، اذان، سبق، شیر اور دلیر کہانیاں بہت زبردست تھیں۔ میں ساتویں جماعت میں پڑھتا ہوں۔ اپنے خط کے ساتھ کچھ تحریریں ارسال کر رہا ہوں، اگر قابل اشاعت ہو تو ضرور شائع کیجئے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر نصیب فرمائے۔ آمین! (رانا اسامہ شہیر، بھکر)

السلام علیکم! مہربانی کر کے میرا خط رومی میں مت ڈالیں گے۔ میں پچھلے پانچ سالوں سے تعلیم و تربیت پڑھ رہا ہوں، مجھے تعلیم و تربیت بہت پسند ہے۔ پہلی بار تعلیم و تربیت میرے ماموں نے ہمارے گھر بھیجا، تب سے میں اسے پڑھنے کا شوقین ہوں۔ آپ سے ایک بار پھر التجا کرتا ہوں کہ میرا خط شائع کیجئے گا۔
(محمد عبداللہ لطیف، مرید کے)

امید ہے آپ ٹھیک ہوں گے۔ پچھلے دو مہینوں سے میں تعلیم و تربیت میں شرکت نہیں کر سکی۔ پلیز! میرا خط ضرور شائع کریں۔ فاختر اور کبوتر، پرانا چیک، شیر اور دلیر، خوف اور اذان کہانیاں بہت پسند آئیں۔ ستمبر کا شمارہ پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ ہر دفعہ تعلیم و تربیت کا انتظار رہتا ہے۔ میرے بھائی کو تو اوچھل خاکے سب سے زیادہ پسند ہیں۔ 4 ستمبر کو میرا رزلٹ تھا۔ اللہ کے فضل و کرم اور آپ کی دعاؤں سے سیکند آئی ہوں۔ میری امی کو بھی تعلیم و تربیت بہت اچھا لگتا ہے۔
(عائشہ فاطمہ، امیر فاطمہ، گوجرانوالہ)

ستمبر کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ سلسلہ وار ناول دولت پور میں سپر ہٹ ہے۔ میرے امتحان ہو رہے ہیں۔ دعا کریں پوزیشن حاصل کر سکوں۔ خط کو شائع ضرور کرنا ہے۔ آپ کچھ گزروں کے بارے میں بھی شائع کریں۔ سب کو سلام!

(حفصہ مجیر، ساہی وال)

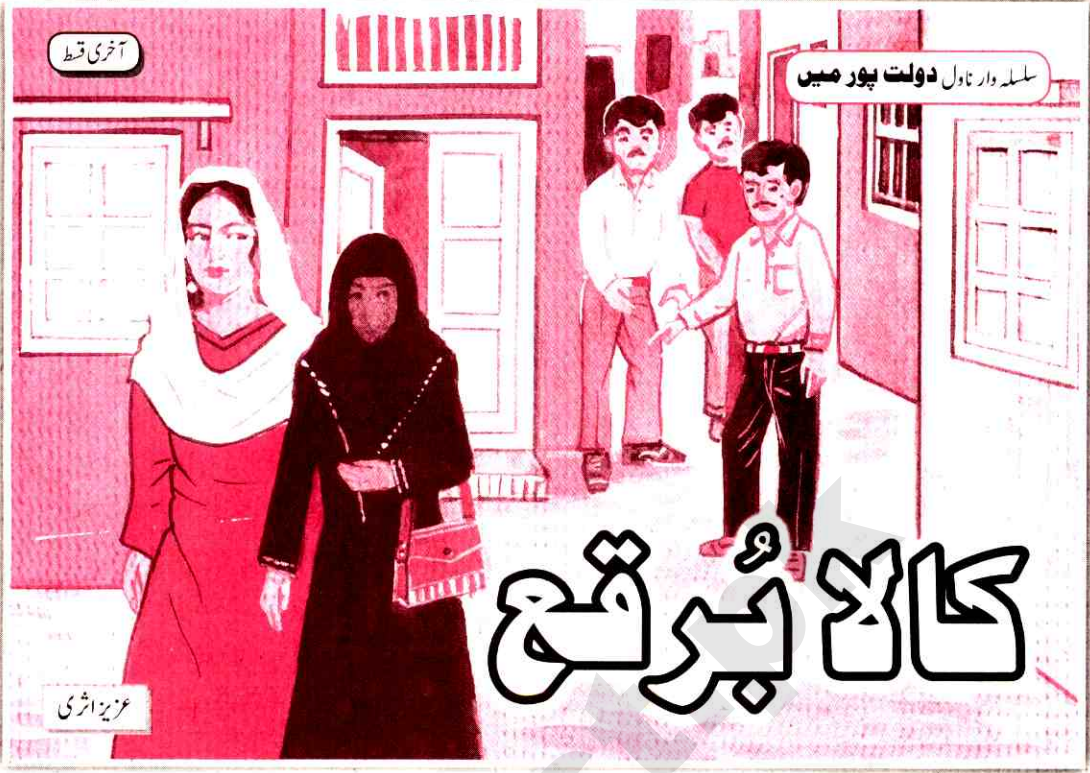
☆ دفتر کے ٹیلی فون کے ذریعے رابطہ کریں۔

السلام علیکم! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ ستمبر کا شمارہ زبردست ہے، پڑھ کر بہت خوش ہوئی۔ اس مرتبہ لطیف، کہانیاں اور خاص کر سلسلہ میری بیاض سے، میں تمام قارئین نے بہترین اشعار بھیجے۔ پڑھ کر بہت خوش ہوئی۔ سرورق اپنی مثال آپ تھا۔ اگلے مہینے عید ہے۔ اس لیے میری طرف سے سب کو ”عید مبارک“۔ امید کرتی ہوں میرا خط ضرور شائع ہوگا۔ (طوبیٰ وحید، ہری پور)

☆ آپ سب کو بھی عید مبارک ہو۔

ان ساتھیوں کے خطوط بھی بڑے مثبت اور اچھے تھے، تاہم جگہ کی کمی کے باعث ان کے نام شائع کیے جا رہے ہیں:

سارہ سکندر، محمد حمزہ مقصود، لاہور۔ عمیر علی، شفیق فاطمہ، زارا وہاب، راول پنڈی۔ محمد حسن شاہد، ڈیرہ غازی خان۔ تسنیم، عکمت، راجہ جنگ۔ عیدہ مجید غوری، پشاور۔ عشاء نور، صبیح الحسن، سیال کوٹ۔ محمد ہاشم عبداللہ، میرپور۔ محمد احمد، ملتان۔ ذیشان احمد صدیقی، کنڈیاں۔ سرمد بن سلطان، شکر گڑھ۔ آئشہ ندیم، تحریک عثمان، گوجرانوالہ۔ فتح محمد شارق، فاختر، منیزہ، رابعہ، مریم، خوشاب۔ نزل، عشاء، سعید، ٹوبہ، نیک سنگھ۔ حافظ محمد منیب، وزیر آباد۔ صداقت علی، عبد الجبار رومی، لاہور۔ محمد احمد خان غوری، بہاول پور۔ نسیب ناصر، فیصل آباد۔ تماضر ساجد، صادق آباد۔ عمیر محمود، اکاڑہ۔ نشا اعجاز، افرات اکبر، لاہور۔ اقصیٰ شہزادی، گجرات۔ نوید اشرف، حویلی لکھا۔ ابرار اللہ، کوئٹہ۔ ☆ ☆



نے اس سے جب پوچھا تو اس نے جواب دیا۔
 ”مائی! ہم نے کسی لڑکے کو نہیں دیکھا۔ ہم تو فلم کے ہیرو
 کو دیکھ کر آ رہے ہیں۔ واہ! کس شان سے چلتا تھا۔“ یہ کہہ کر وہ آدمی
 سیٹی بجاتا اور اکڑتا ہوا چلا گیا۔
 طارق کی ماں سخت پریشان تھیں۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا،
 ویسے ویسے ماں کا دل ڈوبتا جا رہا تھا۔ ماں سڑکوں پر پھر رہی تھیں اور
 دل ہی دل میں اللہ سے دعا کر رہی تھیں۔

”یا اللہ! اپنے محبوب کے صدقے میرے بچے کو مجھ سے ملا
 دے۔ اس دنیا میں تیرے سوا میرا کوئی بھی مددگار نہیں۔“ ماں کے
 قدم بیٹے کی تلاش میں اٹھ رہے تھے۔ دل سے دعائیں نکل رہی تھیں
 اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

طارق کی ماں جب بیٹے کو تلاش کرتے کرتے تھک گئیں تو
 انہوں نے اُستانی کے گھر جانے کا ارادہ کیا۔ طارق کی ماں جانتی تھیں
 کہ سارے شہر میں طارق کی اُستانی ہی ان کی ہمدرد ہیں۔ وہ طارق کو
 تلاش کرنے میں ضرور مدد کریں گی۔

طارق کی ماں جب اُستانی جی کے گھر پر پہنچیں تو وہاں
 دروازے پر تالا دیکھ کر بہت مایوس ہوئیں۔ وہ بازاروں میں اور
 سڑکوں پر پھرتے پھرتے تھک چکی تھیں۔ اس لیے دروازے پر ہی

طارق کی ماں بہت دیر تک گھر پر اپنے بیٹے کا انتظار کرتی رہیں
 لیکن جب طارق کافی رات گئے تک واپس نہ آیا تو ماں پریشان ہو
 گئیں۔ پہلے وہ طارق کے اسکول گئیں۔ وہاں چوکی دار نے بتایا کہ
 سب بچے اسکول سے چھٹی ہوتے ہی گھر چلے گئے تھے۔ طارق کی
 ماں ہیڈ مسٹر لیس کے پاس جانا چاہتی تھیں۔ پھر انہوں نے سوچا کہ
 طارق شاید اب تک گھر آ گیا ہو گا۔ وہ دوبارہ گھر گئیں لیکن طارق
 وہاں نہیں تھا۔

طارق کی ماں گھر سے نکل کر ادھر ادھر سڑکوں پر اور بازاروں میں
 اپنے بیٹے کو تلاش کرتی رہیں۔ اس وقت تک وہ کانیں بند ہو چکی تھیں۔
 صرف کسی دودھ والے یا پان والے کی دکان کھلی تھی۔ ماں نے ان
 دکانداروں سے طارق کے متعلق پوچھا لیکن کسی نے کچھ نہ بتایا۔
 بارہ بجے کے قریب جب لوگ سینما کا آخری شو دیکھ کر اپنے
 اپنے گھروں کو جا رہے تھے تو ان لوگوں کو روک روک کر طارق کی ماں
 اپنے بیٹے کا حلیہ بتاتیں اور ان سے پوچھتیں۔

”آپ نے کہیں اس شکل اور لباس کے لڑکے کو نہیں دیکھا؟“
 بہت سے لوگ اس وقت سیٹیاں بجاتے یا فلمی گانے گاتے جا
 رہے تھے۔ کئی آدمیوں نے طارق کی ماں کو پاگل عورت سمجھا۔ ایک
 آدمی فلم کے ہیرو کی طرح اکڑا کر سڑک پر جا رہا تھا۔ طارق کی ماں

پھر ان کا دل خوف سے کانپ اٹھا اور بولیں۔

”اب میرے بیٹے کا کیا ہوگا۔“

”آپ گھبرائیے نہیں۔“ اُستانی جی بولیں۔ طارق نے اتنی بڑی قربانی دے کر مجھے ہمیشہ کے لیے خرید لیا ہے۔ میں اپنی جان دے کر اس کی حفاظت کروں گی۔“ طارق کی ماں نے انہیں بہت سی دعائیں دیں۔ اُستانی جی بولیں۔ ”اب میں اپنی ہیڈ مسٹریس کے پاس جا کر ان سے کہتی ہوں کہ پولیس میں اطلاع دیں۔“

”آپ آرام کریں۔“ طارق کی ماں بولیں۔ ”میں خود انہیں اطلاع دیتی ہوں۔“

”نہیں، اس طرح دیر لگے گی۔“ اُستانی بولیں۔ ”اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میں جاسکتی ہوں۔“

نیک دل عورت نے اُستانی جی کو باہر نہیں جانے دیا۔ طارق کی ماں بھی نہیں چاہتی تھیں کہ اُستانی یہاں سے باہر نکلیں۔ ان کا خیال تھا کہ جعفر کے ابا کے آدمی ضرور ادھر آئیں گے اور ایسا نہ ہو کہ وہ پھر اُستانی جی کو پکڑ لیں۔

ہیڈ مسٹریس کو اطلاع دینے کے لیے اس عورت نے فوراً اپنے خاوند کو روانہ کر دیا۔ جب عورت کا خاوند اپنے گھر سے باہر نکلا تو اس نے تین آدمیوں کو دیکھا جو اُستانی کے مکان کی طرف جا رہے تھے۔ عورت کے خاوند نے ان کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔

تھوڑی ہی دیر میں پٹھان چوکی دار واپس آ رہا تھا۔ اسے آتا دیکھ کر ان تین آدمیوں میں دو تو ایک دیوار کے پیچھے چھپ گئے اور تیسرا آدمی چوکی دار کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔

چوکی دار جب قریب آیا تو وہ آدمی ایک قدم اور آگے بڑھ کر بولا۔

”السلام علیکم! چوکی دار جی۔“

”وعلیکم السلام!“ چوکی دار نے جواب دیا۔ ”ختم ادھر کیا کرنے آیا ہے؟“

”چوکی دار جی! میری بہن ادھر رہتی ہے۔ وہ اسکول میں اُستانی ہے۔ میں اس سے ملنے آیا ہوں لیکن اس کے گھر پر تو تالا پڑا ہے۔ معلوم نہیں کدھر گئی ہے۔“

”خو اُستانی ادھر آیا ہے۔ بے ہوش ہو گیا۔“ پٹھان چوکی دار نے کہا۔ ”ام اس کو اس گھر میں چھوڑ دیا۔ ادھر چائے مائے پلایا۔ اُستانی نیک ہو گیا۔“

”کس گھر میں؟“ اس آدمی نے پوچھا۔

”ادور، سامنے والا مکان میں..... اور بابو صاحب کے گھر میں۔“

بیٹھ گئیں۔ اسی وقت اُستانی وہاں پہنچیں۔ طارق کی ماں نے انہیں پہچان لیا۔ وہ لپک کر اُستانی کی طرف گئیں۔ ان سے طارق کے متعلق پوچھا۔

اُستانی جی طارق کے متعلق بتانے ہی لگی تھیں کہ بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ ان کے بے ہوش ہونے سے طارق کی ماں گھبرا گئیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اُستانی آدمی رات کو کہاں سے آئی ہیں اور آتے ہی بے ہوش ہو کر گر کیوں گئی ہیں۔

طارق کی ماں اُستانی کے پاس بیٹھ گئیں اور انہیں ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگیں۔ اس وقت کہیں لالچی ٹیکنے کی آواز گونجی۔ طارق کی ماں نے سڑک کی طرف دیکھا اور زور سے آواز دی۔

”بھائی جی!“

تھوڑی ہی دیر میں پٹھان چوکی دار زمین پر اپنی لالچی مارتا ہوا طارق کی ماں کے پاس آ گیا۔ طارق کی ماں نے اسے بے ہوش اُستانی کے متعلق بتایا۔ چوکی دار اُستانی جی کو جانتا تھا، وہ بھاگا ہوا گیا۔ پاس ہی دوسرے مکان تھے۔ چوکی دار نے ایک مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے ایک آدمی نکلا۔ چوکی دار نے اس سے بات کی۔ وہ آدمی اندر گیا اور اپنی بیوی کو جگایا۔ اس کی بیوی، اُستانی جی کی بہت عزت کرتی تھی۔ وہ بھاگی ہوئی وہاں آئی۔

وہ عورت، طارق کی ماں اور چوکی دار کی مدد سے اُستانی جی کو اٹھا کر اپنے گھر لے گئی۔ اُنکھی میں کونسلے دہکائے۔ اُستانی جی کو ایک کمرے میں لٹا کر انہیں ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگی۔ اس عورت کی ایک بیٹی بھی اُٹھ گئی۔ اس نے اُستانی کے لیے گرم گرم چائے تیار کی۔ اُستانی جی کو ہوش آ گیا۔ انہیں چائے پلائی گئی۔

اُستانی نے کمرے کو دیکھا۔ اس نیک عورت اور طارق کی ماں کو دیکھ کر اُستانی نے اطمینان کا لمبا سانس لیا۔ دوسرے کمرے میں نیک عورت کا خاوند اور چوکی دار بیٹھا تھا۔ انہیں جب بتایا گیا کہ اُستانی ہوش میں آ گئی ہیں تو وہ بہت خوش ہوئے۔ چوکی دار اپنی ڈیوٹی دینے کے لیے باہر چلا گیا۔ طارق کی ماں نے اُستانی جی سے جب پوچھا کہ وہ کہاں گئی تھیں تو اُستانی نے انہیں سب کچھ بتا دیا۔ اُستانی نے یہ بھی کہا۔ ”آپ کا بیٹا بہت نیک ہے اور جتنا نیک ہے اتنا ہی بہادر بھی ہے۔ طارق نے مجھے بچانے کے لیے اپنے آپ کو مصیبت میں پھنسا لیا ہے۔ اس نے چھت پر کود کر روشن دان توڑا اور اس راستے سے مجھے باہر نکالا ہے۔“

طارق کی ماں نے جب یہ باتیں سنیں تو بہت خوش ہوئیں لیکن

”اُستانی جی آپ کا ایک بھائی کہیں باہر سے آیا ہے۔“
”میرا بھائی؟ اُستانی حیران ہو کر بولیں۔“ ”میرا تو ایک ہی بھائی تھا۔ وہ آج سے تین سال پہلے فوت ہو گیا تھا۔ میرا تو کوئی بھائی ہی نہیں ہے۔“ اُستانی اُداس ہو گئیں۔

بیوی نے اپنے خاوند کو بتا دیا۔ خاوند نے باہر آ کر چوکی دار کو یہ بات بتائی۔ چوکی دار کو بہت غصہ آیا وہ کہنے لگا۔

”وہ آدمی جھوٹ بولا۔ ہم اس کو نہیں چوڑے گا۔ اپنا نڈا مار کر اس کا چٹنی بنائے گا۔“ یہ کہہ کر چوکی دار اس آدمی کو ڈھونڈنے کے لیے جانے لگا۔ عورت کے خاوند نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولا۔

”خان صاحب! اس طرح کام خراب ہو جائے گا۔ اسے مارنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہم تینوں آدمیوں کو پکڑ لیں گے۔“

”وہ سب آدمی الوکا چرچہ ہے۔“ چوکی دار نے کہا۔ ”خدا کی قسم ام سب کا چٹنی بنائے گا۔“ چوکی دار اور عورت کے خاوند نے پروگرام بنایا کہ اُستانی کو اس کے گھر بھیج دیا جائے۔ اُستانی جب اپنے مکان میں جائے گی تو وہ تینوں اُستانی کو اٹھانے کے لیے آئیں گے۔ تب تینوں کو قابو کر لیا جائے گا۔ تھوڑی دیر کے بعد اُستانی کو ان کے مکان میں جانے کے لیے کہا گیا۔ طارق کی ماں اپنے بیٹے کے لیے بے چین تھی۔ عورت کے خاوند نے انہیں تسلی دی اور کہا۔

”ہم طارق کو تھوڑی دیر تک آپ کے پاس لے آئیں گے۔ اس وقت تک ہمارے گھر میں رہیں۔“ اس نیک عورت نے بھی طارق کی ماں کی پوری پوری مدد کرنے کا وعدہ کیا۔

اُستانی اپنے گھر جانے لگیں تو ایک سیاہ برقعے والی عورت بھی ان کے ساتھ تھی۔ اُستانی کے مکان کے پاس ایک دیوار کے پیچھے تینوں آدمی چھپے ہوئے تھے۔ بے شک وہ جعفر کے ابا ہی کے آدمی تھے۔ وہ اُستانی کو دوبارہ اٹھا لے جانے کے لیے آئے تھے۔ ان میں جعفر کے ابا کا خاص آدمی لمبا کالا بھی تھا۔ اس نے چوکی دار کو بتایا تھا کہ وہ اُستانی کا بھائی ہے۔ جب اُستانی اپنے مکان کا تالا کھول کر اندر داخل ہوئی تو برقعے والی عورت بھی ان کے ساتھ ہی اندر چلی گئی۔

”یہ برقعے والی کون ہے؟“ کالے نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔
”وہ جو دوسرے مکان میں عورت ہے نا، وہی ہوگی۔“ ایک آدمی نے جواب دیا۔

”کوئی بھی ہو، ہمیں کیا۔ ہم تو اُستانی کو اٹھا لے جائیں گے۔“
دوسرے آدمی نے کہا۔ ”اور جعفر کے ابا سے منہ مانگا انعام پائیں

”اچھا ٹھیک ہے۔ آپ کی بڑی مہربانی خان صاحب۔“ اس آدمی نے کہا۔ ”میں اپنا سامان لے آؤں۔ پھر اپنی بہن سے ملتا ہوں۔“
”ہاں! ضرور ملو۔۔۔۔۔ اپنا بہن سے۔“ یہ کہہ کر چوکی دار نے اس آدمی سے ہاتھ ملایا اور زمین پر لاٹھی مارتا ہوا آگے چلا گیا۔ وہ آدمی دیوار کے پیچھے چھپے ہوئے ساتھیوں کے پاس آ گیا اور بولا۔
”وہاں سے تو نکل بھاگی تھی۔ اب دیکھتا ہوں مجھ سے بچ کر کہاں جائے گی۔“ یہ کہہ کر لمبے کالے آدمی نے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا اور تینوں سامنے مکان کی طرف جانے لگے۔

عورت کا خاوند ہیڈ مسٹر لیس کے مکان کی طرف جا رہا تھا۔ جب وہ اپنے گھر سے کچھ دُور بڑی سڑک پر پہنچا تو اسے ایک دم یاد آیا کہ اس نے اُستانی کے مکان کے پاس تین آدمی دیکھے تھے۔ وہ آدمی کون تھے؟ آدھی رات کو اُستانی کے گھر کے پاس کیا کر رہے تھے؟ میری بیوی بڑی مشکل سے اُستانی کو ہوش میں لاتی تھی۔ میری بیوی نے بتایا تھا کہ اُستانی کو کچھ آدمی اٹھا کر لے گئے تھے۔ وہی آدمی دوبارہ تو نہیں آگئے؟ عورت کے خاوند نے سوچا، میں نے بڑی غلطی کی ہے۔ مجھے چاہیے تھا کہ اسی وقت ان آدمیوں سے پوچھتا کہ وہ کون ہیں اور کیوں آئے ہیں۔

یہ سوچتے ہی عورت کا خاوند واپس مڑا۔ چوکی دار کی لاٹھی کی آواز آرہی تھی۔ چوکی دار سڑک کی طرف ہی آ رہا تھا۔ عورت کا خاوند پلٹ کر چوکی دار کے پاس آیا اور بولا۔ ”خان صاحب! میں نے ابھی ابھی تین آدمی اُستانی کے مکان کے پاس دیکھے ہیں۔“

”تین آدمی؟“ چوکی دار حیران ہو کر بولا۔ ”بابو صاحب! اور میں تو ایک ہی آدمی دیکھا تھا۔“ وہ بولا۔ ”ہم اُستانی کا بھائی ہے۔“
اس کے ساتھ دو اور آدمی بھی ہوں گے۔“ عورت کے خاوند نے کہا۔
”ام تو ایک آدمی دیکھا۔ خدا کی قسم ایک آدمی تھا۔“
”مجھے تو کوئی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔“ عورت کا خاوند بولا۔
”تم کیسا گڑبڑ بولتا ہے بابو جی! وہ تو اُستانی کو اپنا بہن بولا۔“
”چلیے، اُستانی سے پوچھ لیتے ہیں۔“

چوکی دار عورت کے خاوند کے ساتھ ان کے مکان پر آیا۔ وہ دروازے پر کھڑا رہا۔ خاوند نے اندر جا کر اپنی بیوی سے کہا۔

”میں نے اُستانی کے مکان کے پاس ابھی ابھی تین آدمی دیکھے ہیں لیکن تم اُستانی کو یہ بات معلوم نہ ہونے دینا۔ ان سے صرف یہ کہو کہ ان کا ایک بھائی ان سے ملنے آیا ہے۔“
عورت اُستانی کے پاس گئی اور بولی۔

گے۔“ کالا خوش ہو کر بولا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا۔

”آج تو ہماری چاندی ہے چاندی۔ ہزاروں روپے ہماری جیبوں میں ہوں گے۔“

”چلو پھر جلدی کرو۔“ ایک آدمی نے کہا۔ ”کہیں چوکی دار دوبارہ اس طرف نہ آ جائے۔“

”ہاں اس کے آنے سے پہلے پہلے اُستانی کو وہاں پہنچا دو۔“ کالے نے کہا۔ پھر بولا۔ ”ہم تینوں وہاں چلتے ہیں۔ میں دروازہ کھٹکھٹاؤں گا، اُستانی دروازہ کھولے گی۔ پہلے میں اندر جاؤں گا۔ تم دونوں باہر کھڑے رہنا۔ میں اندر جا کر اُستانی کا منہ باندھ دوں گا۔ پھر اس کے ہاتھ اور پاؤں۔ تھوڑی دیر کے بعد تم میں سے ایک آدمی اندر آ جائے۔ دوسرا باہر کھڑا رہے۔ اتنے میں موٹر آ جائے گی۔ تیسرا آدمی جو باہر کھڑا ہوگا موٹر کے آتے ہی اس میں بیٹھ جائے گا اور ہم دونوں اُستانی کو اُٹھا کر باہر لے آئیں گے اور موٹر میں ڈال کر اللہ نبلی۔“ وہ تینوں پروگرام کے مطابق اُستانی کے مکان کے پاس گئے۔ کالے نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ کڈی کھلنے کی آواز آئی۔ کالے نے دروازے کے پٹ کھول کر آہستہ سے قدم رکھا۔ اندر دروازے کے پاس اندھیرا تھا لیکن سامنے کمرے میں روشنی تھی۔ روشنی میں اُستانی ایک کرسی پر بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ کالا بہت خوش ہوا۔ وہ جلدی سے کمرے کی طرف بڑھا۔

کالے نے دوسرا قدم اٹھایا ہی تھا کہ برقعے میں حرکت ہوئی اور ایک زور دار چٹ پٹا گھونسنہ کالے کے پیٹ میں لگا۔ کالے لمبے نے ایک لمبی ”ہائے“ کی اور فرش پر گرے لگا۔ برقعے نے اپنے دونوں ہاتھ بڑھا کر کالے کو فرش پر لٹا دیا۔ اسے لٹاتے وقت برقعے میں سے دو تین اور گھونسنے نکلے اور ساتھ ہی آواز آئی۔

”اُستانی کا بائی صاحب! اور میں آرام کروں۔ خوالو کا چرخہ! امارے ساتھ جھوٹ بولا۔“

تھوڑی ہی دیر کے بعد کالے کا دوسرا ساتھی پروگرام کے مطابق آیا۔ ابھی اس نے پہلا قدم ہی اندر رکھا تھا کہ برقعے نے اس کا گلا دبوچ لیا۔

”خوچام تمہارا بھی چٹنی بنائے گا۔“ آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ کالے برقعے میں دراصل پنجان چوکی دار تھا جو تینوں لفنگلوں کو الو بنانے کے لیے برقع پہن کر اُستانی کے ساتھ ہی مکان میں داخل ہو گیا تھا۔ ابھی دوسرے آدمی کو اندر گئے دو تین منٹ ہی گزرے تھے کہ ایک موٹر سڑک پر آتی دکھائی دی۔ تیسرا آدمی جو باہر کھڑا تھا بہت

خوش ہوا۔ اس نے سوچا موٹر پہنچ گئی ہے۔ ابھی کالا اور دوسرا آدمی اُستانی کو اُٹھا کر لائیں گے اور ہم اسے جعفر کے ابا کے پاس لے جائیں گے۔ موٹر اس طرف آ گئی۔ موٹر کی بتیاں بجھ گئیں۔ اسی وقت تیسرا آدمی بھاگ کر موٹر میں جا بیٹھا۔

تیسرے آدمی کے موٹر میں بیٹھے ہی پانچ چھ آدمی چپکے سے موٹر کی طرف آئے۔ ان کے ہاتھوں میں لائٹیاں تھیں۔ ان لوگوں میں نیک عورت کا خاوند بھی شامل تھا۔ اس نے موٹر کا دروازہ کھول کر موٹر کے ڈرائیور کو گریباں سے پکڑا اور اسے گھسیٹ کر باہر نکال لیا۔ کالے کے تیسرے ساتھی کو بھی لوگوں نے پکڑ لیا۔

اُدھر پٹھان چوکی دار نے کالے اور اس کے ساتھی کو گھونسنے مار مار کر بے ہوش کر رکھا تھا پھر اس نے دونوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے۔ اتنے میں باقی لوگ موٹر کے ڈرائیور اور تیسرے آدمی کو پکڑے ہوئے لے آئے۔ آج کی رات بڑی عجیب تھی۔ رات تو ویسے ہی عجیب ہوتی ہے۔ اس لیے کہ رات کے وقت دن بھر کے تھکے ہارے لوگ آرام کرتے ہیں۔ وہ کسان جو سارا دن کھیتوں میں مل چلاتے اور ہم سب کے لیے اناج اُگاتے ہیں، رات کو اپنے گھروں میں سوتے اور صبح ہونے سے پہلے ہی دوبارہ محنت کے گیت گاتے ہوئے کھیتوں میں چلے جاتے ہیں۔ اپنا خون پسینہ ایک کر کے ہمارے لیے کپڑے اور طرح طرح کی چیزیں پیدا کرنے والے مزدور تھک ٹوٹ کر رات کو جھوپڑیوں میں رہتے ہیں۔

سارے محنت کش لوگ جو پوری قوم کا پیٹ پالتے، ان کے تن ڈھانپتے اور ملک کی دولت پیدا کرتے ہیں، رات کو سوتے ہیں۔ غریب اور محنت کرنے والوں کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ اسے ضائع کر دیں۔ دوسری طرف کئی ایسے لوگ ہیں جن کے پاس بہت سا روپیہ اور فالتو وقت ہوتا ہے۔ یہ لوگ اپنے روپے اور وقت دونوں کو ضائع کرتے ہیں۔ رات بھر ہولٹوں، کلبوں اور بڑی بڑی کوٹھیوں میں ناچ اور گانے ہوتے ہیں۔

تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں، جو دن کی روشنی میں چھپتے پھرتے ہیں اور رات کے اندھیرے میں باہر نکل آتے ہیں۔ یہ لوگ دوسروں کو لوٹنے کے لیے نئے نئے پروگرام بناتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے رات اور اندھیرا ہی سب کچھ ہے۔ وہ اندھیرے میں ڈاک ڈالتے، چوریاں کرتے اور طرح طرح کے گناہوں میں ڈوب جاتے ہیں۔

رات، ایک طرف تو غریبوں، دیانت دار نیک لوگوں اور محنت کرنے والوں کے لیے بڑی نعمت ہے اور دوسری طرف

طارق کہہ رہا تھا۔

واپس اپنی کوٹھی پر چلنے کو کہا لیکن طارق نے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔ ابھی وہ باتیں کر رہے تھے کہ دروازے پر ایک اور گاڑی آ کر رکی۔ طارق یہ دیکھنے کے لیے کہ کون آیا ہے، باہر نکلا۔

اس وقت سورج کی پہلی کرن پھوٹی اور اس پہلی کرن نے دیکھا کہ فریدہ گاڑی سے باہر نکلی اور بھاگ کر طارق اور اس کی ماں کے پاس آ گئی۔ اب طارق، فریدہ کے ابا کی بات پر انکار نہ کر سکا۔ فریدہ کے ابا نے سب کو اپنی گاڑیوں میں بٹھایا اور انہیں اپنے ساتھ لے گئے۔

دنیا میں ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے۔ سچ نے جھوٹ اور ظلم پر ہمیشہ فتح پائی ہے۔ طارق کی کہانی سچ، انصاف اور بہادری کی کہانی ہے۔ یہ صرف دولت پور کا قصہ نہیں بلکہ پورے ملک کی کہانی ہے۔ جہاں جہاں جھوٹ، نا انصافی اور ظلم پیدا ہوگا، وہاں وہاں طارق کی ماں، طارق کی اُستانی اور طارق پیدا ہوگا اور جس قوم میں طارق جیسا سچا اور بہادر لڑکا ہو، وہ کبھی نہیں مرتی۔ وہ قوم ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ (ختم شد)

☆☆☆

ٹریفک کے نشانات



ہمارے ہاں ایسے بہت سے علاقے ہیں جہاں سے ریل گاڑیاں گزرتی ہیں۔ زیادہ تر جگہوں پر پھانک موجود ہوتے ہیں جس کی وجہ سے آپ وہاں سے گزرتے نہیں۔

بعض جگہوں پر پھانک نہیں لگے ہوتے لیکن وہاں سے گاڑیاں گزرتی ہیں۔ یہ نشان اس مقصد کے لیے لگایا گیا ہے کہ آپ کو پتا چل جائے کہ یہاں سے گاڑی گزرتی ہے اس لیے احتیاط لازم ہے۔ آپ یہ مت سمجھیں کہ اگر پھانک نہیں تو آپ کسی بھی جگہ سے لائن عبور کر لیں۔ ☆☆☆

یہ نشان ظاہر کرتا ہے کہ آگے کسی نہ کسی وجہ سے خطرہ ہے بغیر اطلاع کے



آگے نہ بڑھیں۔ لازمی ہے کہ پہلے کسی سے پوچھ لیں یا پہلے دیکھ لیں، لہذا بہتر ہے کہ جب بھی ایسا نشان دیکھیں رک جائیں۔ علم ہو جائے تو پھر احتیاط سے آگے بڑھیں۔ ☆☆☆

”جناب! اگر مجھے گولیاں مار مار کر چھلنی بھی کر دیں، پھر بھی میں یہی کہوں گا کہ میں بے گناہ ہوں۔ میں اپنی اُستانی کو چھڑوانے آیا تھا اور پھر طارق نے مختصر طور پر اپنی کہانی بتا دی۔ طارق کے آخری الفاظ سنتے ہی اس شخص کے ہاتھ سے پستول زمین پر گر گیا اور وہ طارق سے لپٹ گیا۔ ”تمہیں کوئی نہیں مار سکتا۔ تم سچے اور بہادر لڑکے ہو۔“ نوجوان نے کہا اور ادھیڑ عمر کے آدمی نے آگے آ کر طارق کا ہاتھ چوم لیا۔

”ننھے لڑکے! تم نے ہمارا سر بلند کر دیا ہے..... خدا کا شکر ہے، ہماری قوم میں اتنے سچے اور بہادر بچے موجود ہیں۔ ہم تمہیں سلام کرتے ہیں۔“

اسی وقت ایک موٹر احاطے میں داخل ہوئی۔ جعفر کے باپ نے سمجھا کہ میرے آدمی اُستانی کو پھر پکڑ لائے ہیں۔ گاڑی کے رکتے ہی اس میں سے اُستانی باہر نکلیں۔ ان کے پیچھے طارق کی ماں تھی۔ فوراً ہی ایک جیپ بھی آ گئی۔ صبح کی ملکی روشنی میں جعفر کے باپ نے جیپ کو پہچان لیا۔ ان کا سارا بدن کانپنے لگا۔

”پولیس۔ پولیس۔“ لوگوں نے کہا۔

”بھاگو..... بھاگو!“ جعفر کے باپ کے آدمی بولے لیکن کوئی بھی بھاگنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ جعفر کا باپ، جعفر اور ان کے آدمی گرفتار کر لیے گئے۔

آج کی رات جتنی خوف ناک تھی، آج کا دن اتنا ہی خوب صورت نکلا۔ جعفر کے باپ اور ان کے آدمیوں کی گرفتاری سے تھوڑی ہی دیر بعد ایک پولیس افسر فریدہ کی کوٹھی پر موجود تھا اور پھر صبح سویرے فریدہ کے ابا طارق کی ماں کے پاس آ گئے۔ طارق کی ماں اس وقت طارق کو لے کر اپنے گھر چلی گئی تھی۔ اُستانی اور موٹا آدمی بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس وقت فریدہ کے ابا کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ بولے۔

”مجھے اپنے بھائی کے پکڑے جانے کا افسوس ہے لیکن افسوس سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو گیا ہے۔ میں آپ سے اور طارق سے بہت شرمندہ ہوں۔“ فریدہ کے ابا نے اُستانی صاحبہ سے بھی معافی مانگی۔ انہوں نے کہا۔

”میری وجہ سے آپ کو بھی اس قدر تکلیف اٹھانا پڑی.....“ فریدہ کے ابا اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولے۔ ”مجھے اس شخص کو اپنا بھائی کہتے ہوئے شرم آتی ہے، جس نے دولت کے لالچ میں اتنے معصوم لوگوں پر ظلم کیے۔“ فریدہ کے ابا نے طارق اور اس کی ماں سے



چکن چاومن

اجزاء:

چکن بغیر ہڈی کے:	آدھا کلو (چھوٹے ٹکڑے کر لیں)	چکن کیوبز:	دو عدد	سویا ساس:	تین کھانے کے چمچ
سفید سرکہ:	تین کھانے کے چمچ	کارن فلور:	ایک چائے کا چمچ	چکن کیوب ملا ہوا میدہ:	آدھا کھانے کا چمچ
ہری پیاز کے پتے:	ایک پیالی (باریک کٹے ہوئے)	پیاز:	ایک ڈلی (باریک کٹی ہوئی)	کالی مرچ پسی ہوئی:	ایک چائے کا چمچ
نمک:	حسب ذائقہ	چینی:	ایک چائے کا چمچ	تیل:	چار کھانے کے چمچ
سفید مرچ پسی ہوئی:	ایک چائے کا چمچ	بند گوبھی:	ایک پھول (باریک کٹی ہوئی)	نوڈلز:	ایک پیکٹ
گاجر:	تین عدد (باریک کٹی ہوئی)	شملہ مرچ:	تین عدد (باریک کٹی ہوئی)	تل کا تیل:	چند قطرے
ادرک، لہسن پسا ہوا:	ایک چائے کا چمچ	بین سپراؤٹس:	ایک پیالی	بین سپراؤٹس اور پتے آخر میں ڈالیں۔	

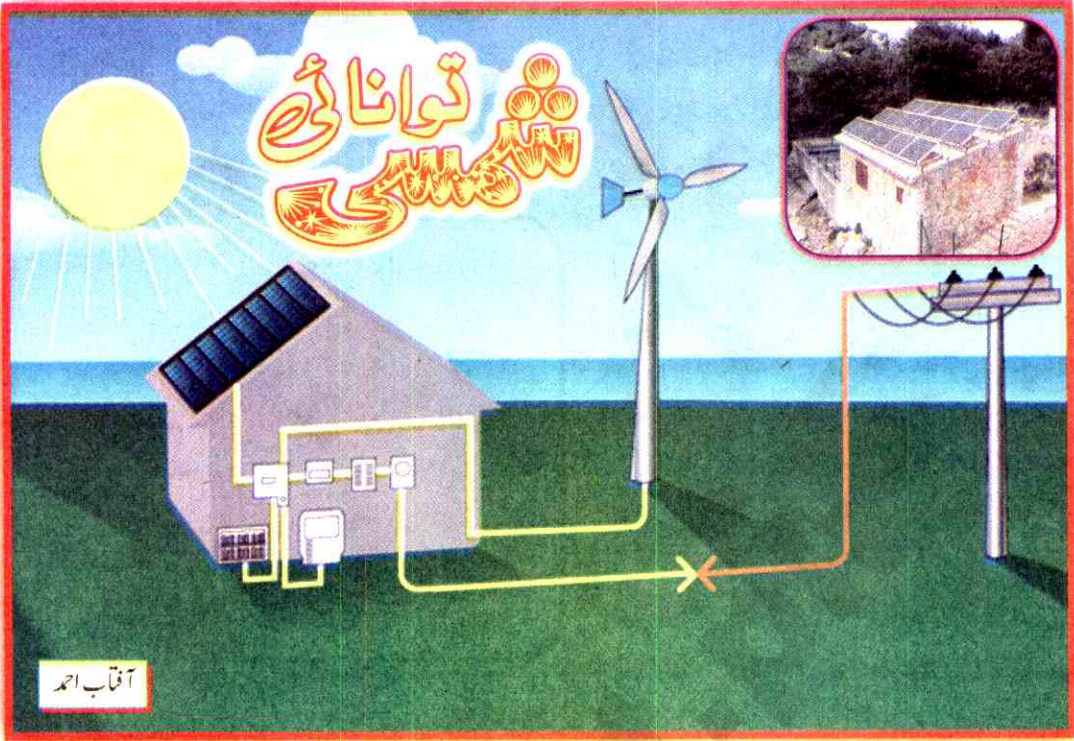
ترکیب: سب سے پہلے چکن میں ایک چمچ سرکہ، ایک چمچ سویا ساس، نمک اور کارن فلور ملا کر آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ ایک بڑی دیکھی میں خوب ڈھیر سارا پانی گرم کریں۔ جب پانی کھولنے لگے تو نوڈلز ڈال دیں، ساتھ میں ایک چمچ تیل ڈال دیں۔ جب نوڈلز گل جائیں تو پھلتی سے چھان لیں۔ فوراً ہی ٹھنڈے پانی سے نوڈلز کو اوپر نیچے کر کے دھو لیں اور ایک چائے کا چمچ تیل ملا دیں تاکہ نوڈلز چپک نہ جائیں۔ ایک بڑی کڑائی میں تیل گرم کریں۔ پیاز ڈال کر ہلکی گھلائی کر لیں۔ ادرک، لہسن ڈال کر ہلکا سا بھون کر چکن ڈال دیں۔ جب پانی خشک ہو جائے تو سبزیاں اور کیوبز ڈال دیں۔ پھر سویا ساس، سرکہ، نمک، کالی سفید مرچ، میدہ اور چینی ڈال کر پانچ منٹ تک بھون لیں۔ پھر نوڈلز ڈال کر کس کریں اور بیس سپراؤٹ اور پتے ڈال دیں۔ تل کا تیل ڈال کر گرم کھانے کے لیے پیش کریں۔

افغانی کڑامی

اجزاء:

چکن ایک عدد:	ڈیڑھ کلو (سولہ ٹکڑے کروالیں)	ادرک لمبی باریک کٹی ہوئی:	ایک کھانے کا چمچ	تیل:	ایک پیالی
ہری مرچ:	چھ عدد (لمبی باریک کٹی ہوئی)	کالی مرچ کٹی ہوئی:	آدھا کھانے کا چمچ	نمک:	حسب ذائقہ
لیمونس:	دو عدد	زردہ کارنگ:	ایک چمکی	سفید سرکہ:	دو کھانے کے چمچ

ترکیب: چکن کو اچھی طرح سے دھو کر ایک کڑائی میں ڈال دیں۔ ساتھ میں سرکہ، زردہ کارنگ اور نمک ڈال کر ہلکی آگ میں پکے دیں۔ ایک الگ فرانگ بین میں تیل گرم کریں۔ جب چکن کا پانی خشک ہو جائے تو کالی مرچ، ہری مرچ اور ادرک ڈال کر گرم گرم تیل ڈال دیں۔ لیموں کا رس ڈال کر گرم گرم نان کے ساتھ پیش کریں۔



اشیاء کی بہت ضرورت ہے۔ اسکوٹر، موٹر سائیکل، کار، بسیں، ریل گاڑیاں، ہوائی جہاز، ملیں اور فیکٹریاں وغیرہ پٹرول اور ڈیزل سے چلتے ہیں۔ غرض یہ کہ قدرتی تیل یا پٹرولیم ہماری معاشی زندگی کی شہ رگ ہے۔ زمین کی گہرائیوں میں حرارت کا بے شمار خزانہ دفن ہے۔ ماہرین ارضیات کے مطابق زمین کی اس پٹری کے نیچے درجہ حرارت 720 ڈگری فارن ہائیٹ (400 ڈگری سینٹی گریڈ) ہے۔ حرارت اکثر آتش فشاںوں کے علاوہ زمین کے مختلف حصوں سے خارج ہونے والی بھاپ کی شکل میں بھی ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ 1904ء میں جیوتھرمل انرجی (Geo-Thermal Energy) کو کام میں لانے کا منصوبہ تیار کیا گیا تھا۔ زمین کے اندر کی بھاپ کو پائپ کے ذریعے چرخاب تک لایا گیا اور اس سے بجلی پیدا کی گئی۔ زمین اندر سے بہت گرم ہے اور اس میں جگہ جگہ گرم پانی کی دھار یا سوکھی بھاپ کی تیز دھار پھوٹی رہتی ہے۔ اس حرارت کو اگر توانائی میں بدل دیا جائے تو ہزاروں سال تک توانائی کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ کوئلہ سے پٹرول بنانے کا طریقہ جنوبی افریقہ میں شروع ہوا۔ وہاں کوئلے کی کانیں وافر مقدار میں کوئلہ فراہم کر سکتی ہیں مگر یہ طریقہ بہت مہنگا ہے اور اس میں کوئلے کی کھپت بہت زیادہ ہوتی

انسانی زندگی کی نقل و حرکت کا زیادہ انحصار توانائی پر ہے۔ آج کل جس بڑے پیمانے پر توانائی کا استعمال ہو رہا ہے، اس سے اندیشہ ہے کہ توانائی کے ذخائر بہت دنوں تک ہمارا ساتھ نہیں دے سکیں گے۔ توانائی کے یہ ذخائر اور ذرائع، ماحول کو بھی آلودہ کر رہے ہیں۔ ہمیں توانائی کے نئے متبادل ذرائع تلاش کرنے ہوں گے تاکہ توانائی کے ساتھ ساتھ ماحول کو بھی آلودگی سے بچایا جاسکے۔ یہ بھی ممکن ہے جب ہم تیل، کوئلہ، لکڑی اور گوہر کے علاوہ دھوپ، ہوا، پانی اور دیگر توانائی کے قدرتی ذرائع کا استعمال کریں۔ اس کے علاوہ شمسی توانائی بھی کبھی نہ ختم ہونے والا ذریعہ ہے۔ کوئلہ، تیل اور پانی سے پیدا ہونے والی بجلی (ہائیڈرو الیکٹرک) توانائی حاصل کرنے کے تین اہم وسائل ہیں جن میں جوہری توانائی کا اضافہ بھی حال میں ہوا ہے۔ کوئلہ توانائی کے حصول یا صنعتی ایندھن کا سب سے بڑا وسیلہ ہے۔ کوئلے کے علاوہ قدرتی تیل یا پٹرولیم توانائی حاصل کرنے کا دوسرا بڑا ذریعہ ہے اور یہ نہایت کارآمد ایندھن بھی ہے۔ کچے قدرتی تیل سے ہمیں مٹی کا تیل، ڈیزل، پٹرول، اسپرٹ، کھانا پکانے کی گیس وغیرہ حاصل ہوتی ہے۔ ہماری روزانہ کی زندگی میں قدرتی تیل اور اس سے بنی ہوئی

کرنے کی جانب ایک بڑا قدم ہے جسے توانائی کی شدید قلت کا سامنا ہے۔ کینیا زیادہ تر پنبلی پر انحصار کرتا ہے۔ پنبلی اور شمسی توانائی کے ساتھ ساتھ کینیا میں ہوا اور جیو تھرمل ذرائع سے توانائی حاصل کرنے کے وسیع امکانات موجود ہیں۔

ہوا کی طاقت کا استعمال دنیا کے کچھ ممالک نے آٹے کی چکیوں کو چلا کر کیا ہے۔ بہتے ہوئے پانی کو ڈیموں کے ذریعے روک کر بہت اونچائی سے گرا کر بجلی پیدا کرتے ہیں۔ اگر سائنسی ترقی اسی رفتار سے ہوتی رہی تو وہ دن دور نہیں جب سورج کی روشنی سے طاقت حاصل کر کے ہر وہ کام کیا جائے جو آج قدرتی تیل سے ہو رہا ہے اور جس کے ذخائر محدود ہیں۔ شمسی توانائی کبھی نہ ختم ہونے والی توانائی ہے۔

سورج کی دھوپ اپنے آپ میں آلودگی سے پاک ہے اور آسانی میسر ہے۔ ہمیں یہ سہولت حاصل ہے کہ سال کے 365 دنوں میں 250 سے لے کر 320 دنوں تک سورج کی پوری دھوپ ملتی ہے۔ دن میں سورج چاہے دس سے بارہ گھنٹے تک ہی ہمارے ساتھ رہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ سورج کی گرمی ہمیں رات دن کے 24 گھنٹے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس میں نہ دھواں ہے، نہ کثافت اور نہ ہی آلودگی۔ دیگر ذرائع سے حاصل توانائی کے مقابلے میں سورج کی روشنی سے 36 گنا زیادہ توانائی حاصل ہو سکتی ہے، جب کہ صورت حال یہ ہے کہ سورج کی روشنی کرنوں کی شکل میں صرف ایک چوتھائی حصہ ہی زمین پر آتی ہے اور تین چوتھائی حصہ کرہ باد میں ہی رہ جاتی ہے۔ سورج اپنی توانائی ایکس ریز سے لے کر ریڈیو ویو کے ہر ویو لینتھ پر منعکس کرتا ہے۔ اسپکٹرم (Spectrum) کے 40 فیصد حصے پر یہ توانائی نظر آتی ہے اور 50 فیصد شمسی توانائی انفراریڈ (Infra-Red) اور بقیہ الٹرا وایولٹ (Ultra-Violet) کی شکل میں نمودار ہوتی ہے۔ دھوپ سے حاصل ہونے والی توانائی ”سولر انرجی“ یا ”شمسی توانائی“ کہلاتی ہے۔ دھوپ کی گرمی کو پانی سے بھاپ تیار کر کے جزیر چلانے اور بجلی بنانے میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ دھوپ قدرت کا عطیہ ہے، ہر روز دنیا پر اتنی دھوپ پڑتی ہے کہ اس سے کئی ہفتوں کے لیے بجلی تیار کی جا سکتی ہے۔ سورج زمین سے تقریباً

ہے۔ کوڑا کرکٹ سے بھی توانائی پیدا کی جا سکتی ہے۔ ماہرین کے مطابق امریکہ میں سالانہ 25 کروڑ ٹن کوڑا پھینکا جاتا ہے۔ اس سے دس کروڑ ٹن کوئلہ کے برابر توانائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ پودوں سے بھی پٹرول حاصل کیا جاتا ہے۔ ماہرین کی تحقیق کے مطابق گنے کے رس سے الکھل (Alcohol) بنائی جاتی ہے اور اس الکھل کو بطور پٹرول استعمال کر کے گاڑی چلائی جا سکتی ہے۔ دنیا بھر میں پودوں سے الکھل کا سب سے زیادہ ایندھن پیدا کرنے والا ملک برازیل ہے کیوں کہ وہاں گنا بہت پیدا ہوتا ہے۔ اس تکنیک کا ہمارے ملک میں بھی استعمال ہو رہا ہے۔ عہد حاضر کے سائنس دان سورج کی روشنی سے توانائی حاصل کرنے کے تجربات میں مصروف ہیں اور کافی حد تک انہیں کام یابی بھی حاصل ہوئی ہے۔ ماسکو میں ایک عظیم الشان بجلی گھر تعمیر کیا گیا ہے، جہاں آئینوں کے ذریعے سورج کی کرنوں کا عکس لے کر ایک گھنٹے میں تیرہ ٹن بھاپ تیار کی جاتی ہے۔ زمین پر روزانہ سورج کی جو شعاعیں پڑتی ہیں ان میں اتنی طاقت ہوتی ہے، جو ہزاروں ٹن کوئلے سے بھی بمشکل حاصل کی جا سکتی ہے۔ قدیم زمانے میں آفتاب کی تمازت کے محدود استعمال کا سراغ ملتا ہے۔ آئینوں، عدسوں (lenses) کی مدد سے ایک وسیع رقبے کی شعاعوں کو ایک نقطے پر مرکوز کر کے حرارت حاصل کی جاتی تھی۔ یہ طریقے اٹھارہویں صدی کے شروع میں معلوم کیے گئے تھے۔ ۱۹۱۸ء میں پیرس کی نمائش میں ایک عکاس کے ذریعے سورج کی شعاعوں کو ایک بوائمر پر مرکوز کیا گیا تھا۔ عالمگیر جنگ کے زمانے میں آسٹریلیا، جرمنی اور فرانس میں شمسی انجن تیار کیے گئے۔ ان کی طاقت پچاس گھوڑوں کے برابر تھی، لیکن آئینے کی طرز کی مشینوں میں یہ نقص ہے کہ شمسی شعاعوں کو جمع کرنے کے لیے کافی براقرہ گھیرتی ہیں۔ ۱۹۳۶ء میں آئینوں کی مدد سے ایک شمسی بھٹی تیار کی گئی اور دھاتوں کو پگھلانے کے لیے تین ہزار سینٹی گریڈ تک حرارت پیدا ہوئی۔

کینیا کی ٹیلی کمیونیکیشن کمپنی سفاری کام افریقہ میں مکمل طور پر شمسی توانائی پر چلنے والی پہلی ٹیلی فون سروس شروع کر دی ہے۔ ایک موبائل فون سروس کینیا کی ایک اہم ضرورت کو بروقت پوری

کرنٹ پیدا کرتے ہیں، اس لیے ان سے حاصل ہونے والی بجلی سے وہی اشیاء چلائی جاسکتی ہیں جو ڈی سی کرنٹ پر کام کرتی ہوں جب کہ شمسی توانائی کے یونٹ پر لاگت کم کرنے کے لیے اس نظام کے ساتھ منسلک دیگر آلات بھی انرجی ایفیشٹ ہونے چاہئیں۔ سولر سسٹم کی موجودہ لاگت کے پیش نظر بہتر یہ ہے کہ گھر کا پورا نظام شمسی توانائی پر نہ کیا جائے بلکہ صرف اسے بیک اپ کے طور پر استعمال کریں، بالکل اسی طرح جیسے بجلی چلے جانے کی صورت میں یو پی ایس یا جنریٹر کو بیک اپ کے طور پر رکھا جاتا ہے۔

پاکستان کے کسی بھی علاقے میں لوڈ شیڈنگ کے وقت یا بجلی چلے جانے کی صورت میں یا پھر ایسے علاقوں میں جہاں بجلی سرے سے نہیں ہے، گھر کا ایک کمرہ روشن کرنے کے لیے شمسی پنیل کے سب سے چھوٹے نظام پر 4 سے 5 ہزار یا زیادہ سے زیادہ 10 ہزار روپے خرچ ہو سکتے ہیں۔ اگر اس کے ساتھ ایک پنکھا بھی چلانا چاہیں تو یہ لاگت اسی حساب سے بڑھتی جائے گی۔

گزشتہ دوں انکشاف کیا گیا تھا کہ حکومت پاکستان بڑے پیمانے پر سورج سے بجلی پیدا کرنے والے نجی اداروں سے بجلی خریدنے کا ارادہ رکھتی ہے جب کہ کم و بیش ایک کلوواٹ بجلی پیدا کرنے والے شمسی پنلز اور آلات کی درآمد پر حکومت سسٹم ڈیوٹی بھی معاف کر چکی ہے۔ پاکستان میں بہت سی غیر سرکاری تنظیمیں شمسی بجلی پیدا کر رہی ہیں جب کہ متبادل توانائی بورڈ کی جانب سے اب تک تیار کیے گئے سب سے بڑے منصوبے کے تحت تھر پارکر کے علاقہ منچی میں واقع 50 دیہاتوں میں 30 ہزار گھروں کو شمسی پنلز کے ذریعے بجلی فراہم کی جا چکی ہے جس کے تحت ہر گھر کو دو بلب اور ایک پنکھا چلانے کے لیے شمسی توانائی کا نظام لگا کر دیا گیا ہے۔ اس منصوبے کے تحت ایک گھر پر 40 ہزار روپے خرچ ہوئے اور اب جب کہ شمسی پنلز اور دیگر متعلقہ آلات کی قیمتوں میں کمی ہو رہی ہے، اس لاگت میں مزید کمی ہو سکتی ہے۔ ان اقدامات کو دیکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا ملک غیر روایتی توانائی کے میدان میں داخل ہو چکا ہے اور توانائی کا حاصل کرنے کا مستقبل اب دھوپ، سمندر کے پانی اور ایک قسم کی ایٹمی توانائی جو کہ Nuclear Fusion کہلاتی ہے، جیسے ذرائع سے وابستہ ہوتا جا رہا ہے۔ ☆☆☆

15 کروڑ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے۔ چوں کہ آفتاب میں صرف تپتی ہوئی گیس پائی جاتی ہے، اس لیے کثافت (Density) کم ہے۔ اس کا وزن زمین سے سو تین لاکھ گنا زیادہ ہے۔ سورج کی باہری سطح کا درجہ حرارت تقریباً 6 ہزار ڈگری سلسیوس (Celcius) ہے۔ اس کے مرکزی حصے کا درجہ حرارت ایک کروڑ ڈگری سلسیوس ہے۔ اس کے چاروں طرف روشنی اور حرارت نکلتی رہتی ہے۔ سورج کی سطح کے فی مربع سینٹی میٹر سے پچاس ہزار موم تیلوں جتنی روشنی نکلتی ہے اور زمین سورج سے نکلی ہوئی طاقت کا محض دو سو میں کروڑواں حصہ ہی اخذ کر پاتی ہے۔ شمسی توانائی کے بغیر زمین پر زندگی ممکن نہیں۔ سبز پتوں والے پودے اس طاقت کا استعمال کرتے ہیں جس کے باعث ان میں ضیائی تالیف کا عمل ہوتا ہے۔ آج شمسی توانائی سے بہت سے کام لیے جا رہے ہیں۔ چاہے کھانا پکانا ہو، پانی گرم کرنا ہو یا مکالموں کو ٹھنڈا یا گرم رکھنا ہو۔ فصلوں کے دنوں میں دھان کھانا ہو یا پانیوں کے ذریعے سیچائی۔ پاکستان اپنی بجلی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے زیادہ تر خام تیل پر انحصار کرتا ہے لیکن گزشتہ چند برسوں سے عالمی سطح پر تیل کی قیمتوں میں مسلسل اضافہ کے باعث ایک طرف جہاں بجلی مہنگی ہوتی جا رہی ہے، وہیں دوسری جانب بجلی کی بڑھتی ہوئی مانگ پوری کرنے کے لیے زمینداروں کے ہمارے پر بھی دباؤ بڑھ رہا ہے۔ موجودہ صورت حال میں پاکستان کے لیے توانائی کے متبادل ذرائع تلاش کرنا انتہائی ضروری ہے۔ پاکستان ایک ایسے خطے پر واقع ہے جہاں سارا سال سورج چمکتا ہے۔

شمسی توانائی کا استعمال گزشتہ کچھ برسوں میں پوری دنیا میں بڑھ رہا ہے۔ اس کے بارے میں عام لوگوں کو زیادہ معلومات نہیں ہیں جس وجہ سے اس نظام سے لوگوں کی توقعات زیادہ بڑھ جاتی ہیں اور وہ کئی غلط فیصلے کر بیٹھتے ہیں۔ دراصل شمسی پنلز سورج سے بہت سی روشنی حاصل کرتے ہوئے بجلی کی قلیل مقدار پیدا کرتے ہیں، اس لیے اس بجلی کا استعمال احتیاط سے کرنا چاہیے اور روشنی کے لیے ایل ای ڈی بلب استعمال کرنے چاہئیں۔

صرف ایل ای ڈی بلب ہی نہیں گھر کی دیگر چیزیں بھی شمسی توانائی سے مطابقت رکھنے والی ہونی چاہئیں۔ شمسی پنلز ڈی سی



ایک جنگل میں اسے ایک بڑھیا ملی۔ نہ منہ میں دانت، نہ پیٹ میں آنت۔ زرا ہڈیوں کا ڈھانچا۔ وہ لکڑیاں چن رہی تھی۔ لٹو کو اس پر ترس آ گیا۔ اس نے جھٹ پٹ بہت سی لکڑیاں جمع کر کے گٹھا باندھا اور بڑھیا سے بولا: ”دادی اماں! چلیے، آپ کے گھر چھوڑ آؤں۔“ یہ بڑھیا اصل میں پرستان کی پری تھی۔ مفت کی کھا کھا کے موٹی ہو گئی تھی۔ اس لیے لاہور کے ایک بیوٹی پارلر میں سلنگ کورس کرنے آئی تھی۔ اس نے سوچا، کوئی نیک آدمی ملے تو اسے انعام دیتی جاؤں۔ چناں چہ اس نے بڑھیا کا بھیس بدلا اور لکڑیاں چننے لگی۔ وہ لٹو کے برتاؤ سے بہت خوش ہوئی، اسے ڈھیروں دعائیں دیں اور بولی: ”بیٹا، تو بہت اچھا لڑکا ہے۔ تو نے میرا دل خوش کر دیا۔ اب میں تجھے خوش کروں گی۔“

یہ کہہ کر اس نے تالی بجائی۔ پلک جھپکتے میں وہاں ایک گدھا آکر ڈوم ہلانے لگا۔ بڑھیا بولی: ”بیٹا! یہ تیری نیکی کا انعام ہے۔ اسے گھر لے جا۔ جب تجھے پیسوں کی ضرورت ہو۔ اس کا کان مروڑنا اور خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھنا۔“

لٹو گدھے کو لے کر واپس گھر کی طرف چل پڑا۔ اب شام ہو گئی تھی اور اس کا گاؤں دُور تھا۔ راستے میں ایک گاؤں پڑا، جس

لاہور کے قریب کسی گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا۔ اس کے دو بچے تھے۔ ایک لڑکی اور ایک لڑکا۔ لڑکی کا نام زیو تھا اور لڑکے کا لٹو۔ لڑکی بڑی تھی اور وہیں گاؤں میں چودھری کرم دین کے لڑکے کے ساتھ اس کی مگنی ہو گئی تھی مگر چودھری بہت لالچی تھا۔ اس نے کسان سے کہا تھا کہ جب تک تم اپنی بیٹی کو پچاس ہزار روپے کا جہیز نہ دو گے، میں برات نہیں لاؤں گا۔

بے چارے کسان کے لیے اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالنا ہی مشکل تھا۔ وہ پچاس ہزار روپیہ کہاں سے لاتا۔ دن رات کی یہ فکر اسے گھن کی طرح کھائے جا رہی تھی۔

لٹو سے اپنے باپ کی یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ اس نے کہا: ”بابا، میں شہر جا کر محنت مزدوری کرتا ہوں۔ کچھ روپیہ تم جمع کرنا، کچھ میں۔ اس طرح دو ایک سال میں ہمارے پاس پچاس ہزار روپیہ جمع ہو جائے گا۔“

کسان کا دل تو نہ چاہتا تھا کہ اکلوتے بیٹے کو اپنے سے جدا کرے مگر کیا کرتا، مجبوری تھی۔ سینے پر مبر کا پتھر رکھا اور اسے نیک دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔

لٹو گاؤں سے نکل کر ناک کی سیدھ چلتا گیا۔ کچھ دُور چل کر

نہ مانگے لیکن ایسا بدمزہ کھانا دیا کہ لٹو کو ایکا بیاں آنے لگیں۔ اس نے سرائے والے کا کھانا واپس کر دیا اور میز کو حکم دیا۔ ”میز ری میز، کھانا لا!“

کہنے کی دیر تھی کہ میز قسم قسم کے لذیذ اور خوش بو دار کھانوں سے بھر گئی۔ لٹو بے وقوف نے پرستان کا یہ کھانا سرائے والے کو بھی کھلایا اور لمبی تان کر سو گیا۔ آدھی رات کو اس بے ایمان سرائے والے نے لٹو کی میز تو خود لے لی اور اس کی جگہ اس جھمی دوسری میز رکھ دی۔ دوسرے دن لٹو ہنستا، کھل کھلاتا گھر پہنچا اور باپ کو ساری بات بتائی مگر جب اس نے میز کو کھانا لانے کا حکم دیا تو وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ کھانا تو بڑی بات ہے، اس پر کبھی تک آکر نہ بیٹھی۔ کسان نے کہا: ”بیٹے، اس جادو کے چکر سے نکلو اور محنت مزدوری کر کے پیسے کماؤ۔ اتنے دن یوں ہی ضائع ہو گئے۔ اگر ہم نے زیادہ دیر کی تو چودھری متغنی توڑ دے گا اور زیویوں ہی بیٹھی رہے گی۔ لوگ کہیں گے کہ لڑکی ہی میں کوئی عیب ہے جو چودھری نے متغنی توڑ دی ہے۔“

دوسرے دن لٹو نے پھر باپ سے اجازت لی اور گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ کچھ دور گیا تھا کہ کیا دیکھتا ہے۔ ایک بوڑھا پھونس آدمی، سر پر ایک بھاری گٹھڑی رکھے، ہانپتا کانپتا چلا جا رہا ہے۔ لٹو کو اس پر ترس آ گیا۔ اس نے گٹھڑی خود اٹھالی اور بوڑھے کو اس کے گھر چھوڑ آیا۔ بوڑھا بہت خوش ہوا۔ بولا: ”تم بہت نیک اور رحم دل لڑکے ہو۔ میں تمہیں اس نیکی کا انعام دینا چاہتا ہوں۔“

یہ بوڑھا اصل میں ایک نیک اور خدا ترس جن تھا۔ اس نے صندوق میں سے ایک موٹا سا ڈنڈا نکالا اور بولا: ”اس کا نام مولا بخش ہے۔ جب تم کو کوئی دشمن ستائے تو اس سے کہنا، چل میرے ڈنڈے اور یہ ڈنڈا مار کر اس کا پلٹتھن نکال دے گا۔“

لٹو نے بوڑھے کا شکریہ ادا کیا اور ڈنڈا لے کر واپس گھر کی طرف چل پڑا۔ چلتے چلتے شام ہوئی تو راستے میں وہی سرائے پڑی جس میں وہ دو دفعہ ٹھہرا تھا۔ اس نے سرائے میں پہنچتے ہی ڈنڈا نکالا اور سرائے والے کی طرف اشارہ کر کے بولا: ”چل میرے ڈنڈے۔“

لو جناب، یہ کہنا تھا کہ ڈنڈا سرائے والے پر پل پڑا اور مار مار کے اس کا کچھور نکال دیا۔ آخر اس نے ہاتھ جوڑے، معافی مانگی

میں ایک سرائے تھی۔ لٹو نے سوچا، رات اس سرائے میں بسر کروں۔ صبح ہوتے ہی روانہ ہو جاؤں گا۔ اس نے سرائے کے مالک سے چارپائی اور بستر مانگا اور کھانا لانے کے لیے کہا مگر سرائے والے نے اسے پچھتے حالوں دیکھ کر انکار کر دیا اور بولا: ”پہلے پیسے دو۔ پھر بستر اور کھانا۔“

لٹو کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے کہا: ”تم مجھے کنگال سمجھتے ہو؟ یہ دیکھو!“ یہ کہا اور جھٹ گدھے کا کان مروڑ دیا۔ گدھے کے منہ سے کھن کھن روپے گرنے لگے۔ سرائے والے کی چندھی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں اور اس کے من میں بے ایمانی نے گھر کر لیا۔ جب لٹو کھانا کھا کر سو گیا تو اس بے ایمان نے لٹو کا گدھا تو چپکے سے اڑا لیا اور اس کی جگہ بالکل ویسا ہی ایک اور گدھا باندھ دیا۔ دوسرے دن لٹو، گدھا لے کر خوش خوش گھر پہنچا اور باپ سے بولا: ”دیکھو بابا! ایسی چیز لایا ہوں کہ تمہارے سارے ولدے دور ہو جائیں گے۔ اس گدھے کا کان مروڑو اور جتنے چاہے روپے بٹورو۔ ہلدی لگے نہ پھلکوی، رنگ چوکھا آئے۔“

یہ کہہ کر اس نے گدھے کا کان مروڑا مگر بجائے اس کے گدھے کے منہ سے روپے جھڑتے، اس نے زور سے دھتکی ماری اور ڈھینچوں ڈھینچوں کر کے سارا گاؤں سر پر اٹھا لیا۔ لٹو کو بہت دکھ ہوا۔ وہ دن تو اس نے روتے دھوتے گزارا اور دوسرے دن صبح ہوتے ہی پھر سفر پر روانہ ہو گیا۔

اس مرتبہ اسے ایک گاؤں میں ایک بڑھی ملا۔ اس نے لٹو کو اپنے ہاں نوکر رکھ لیا۔ لٹو نے اس کی جی جان سے خدمت کی، جس سے وہ بہت خوش ہوا اور اسے ایک چھوٹی سی میز دے کر بولا۔ ”یہ تمہاری خدمت کا صلہ ہے۔ جب تم اس سے کہو گے، میز ری میز، کھانا دے تو یہ قسم قسم کے لذیذ اور مزے دار کھانوں سے بھر جائے گی۔“ یہ بڑھی دراصل ایک پری زاد تھا اور گرمیوں کی چشتیاں گزارنے وہاں آیا تھا۔

بس جناب، لٹو نے میز کندھے پر رکھی اور خوش خوش گھر کی طرف روانہ ہوا مگر اب کے بھی وہی ہوا جو پہلے ہوا تھا۔ رات کو وہ پھر اسی سرائے میں ٹھہرا اور سرائے والے سے کھانا لانے کے لیے کہا۔ سرائے والا اسے پہچان گیا۔ اس نے کھانے سے پہلے پیسے تو



اور لٹو کو اس کا گدھا اور میز واپس کر دی۔ اب لٹو کے پاس جادو کی تین چیزیں تھیں۔ وہ انہیں لے کر خوش خوش گھر پہنچا اور باپ کو گدھے اور میز کے کرتب دکھائے۔ البتہ ڈنڈے کا کرتب نہیں دکھایا۔ اس کے صرف گن بتا دیے۔

کسان بولا: ”چل بیٹا! اب چودھری کے گھر چلیں۔ وہ روز تقاضا کرتا ہے کہ لڑکی کی شادی جلدی کرو، ورنہ میں کوئی اور لڑکی ڈھونڈتا ہوں۔“

کسان بیٹے کے ساتھ چودھری کے گھر گیا اور اس سے کہا۔ ”چودھری صاحب، خدا کے فضل سے، میں نے جمیز کے لیے پچاس ہزار روپے کا بندوبست کر لیا ہے، اب شادی کی تاریخ مقرر کر لیجیے۔“

چودھری بڑا لالچی اور کانیاں تھا۔ اس نے سوچا، بوڑھے کے پاس کافی مال معلوم ہوتا ہے۔

لٹو نے کہا: ”یہ جی ٹیٹا کرولا کا اسٹیرنگ ہے..... وہ جس سے کار کو ادھر ادھر موڑتے ہیں۔ سمجھے؟“

”سمجھ گیا، پتر..... سمجھ گیا۔“ چودھری نے ہنس کر کہا اور اپنی گھڑی اُتار کر چارپائی پر رکھ دی۔

اس سے کچھ اور اینٹھنا چاہیے۔ وہ بولا: ”ٹھیک ہے۔ مگر یہ پچاس ہزار تو کپڑے لیتے، برتن بھانڈوں، گہنوں اور برات کے کھانے پر ہی لگ جائیں گے۔ تمہیں جمیز میں ایک ٹیلی ویژن بھی دینا پڑے گا ورنہ یہ شادی نہیں ہوگی۔“

لٹو نے زور سے کہا: ”چل میرے ڈنڈے۔“ اس کا یہ کہنا تھا کہ ڈنڈا تڑتڑ، تڑا تڑ چودھری کی گنجی کھوپڑی پر برسنے لگا۔ چودھری نے دہائی مچا دی۔ ”ہائے! میں مرا۔ ہائے! میں مر گیا۔ ارے لوگو! دوڑو، مجھے اس شیطانی چرنے سے بچاؤ۔“

بے چارہ کسان بڑا حیران ہوا۔ اس نے کہا: ”چودھری صاحب، آپ نے پہلے تو یہ بات نہیں کہی تھی۔“

چودھری بولا: ”پہلے نہیں کہی تھی تو اب کہتا ہوں۔ مجھے ٹی وی بھی چاہیے، ٹگنیں۔ جاپان اسمبلر۔“

جادو کا ڈنڈا چودھری کی چندیا پر طبلہ بجا رہا تھا اور وہ درد کے مارے بلبلارہا تھا۔ آخر اس نے کسان کے پیروں پر سر رکھ دیا اور رو رو کر بولا: ”میرے بھائی، مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ ایک مہینے بعد برات لے کر آؤں گا اور جو کچھ تم خوشی سے دو گے، لے لوں گا۔ میری توبہ! اب خدا کے لیے اس شیطانی ڈنڈے کو روکو۔“

لٹو نے اپنے باپ کے کان میں کچھ کہا اور پھر چودھری سے بولا: ”ہم آپ کو رنگین ٹی وی بھی دیں گے۔ اور کچھ؟“

چودھری ڈاڑھی کھجا کر بولا: ”بس پتر، اور کیا..... ہاں ایک وی سی آر بھی ہو تو اچھا ہے۔ آخر شادی کی فلم بھی تو بنے گی۔ ہم اسے کیسے دیکھیں گے؟“

اس طرح چودھری کو اس کے لالچ کی سزا ملی اور مہینے بعد لٹو کی بہن کا چودھری کے بیٹے کے ساتھ بیاہ ہو گیا۔ کسان نے سارے گاؤں کی دعوت کی اور انہیں ایسے مزے دار کھانے کھلائے کہ وہ آج تک انگلیاں چاٹتے ہیں۔ ☆☆☆

لٹو نے کہا: ”آپ کو وی سی آر بھی مل جائے گا۔ چودھری صاحب! فکر نہ کریں..... اور شاید اب آپ کا بھی مانگیں گے، تو میں نے آپ کے لیے نئے ماڈل کی ایک ٹیٹا کرولا کا بھی بندوبست کر لیا ہے۔“

اس تصویر کا اچھا سا عنوان تجویز کیجئے اور 500 روپے کی کتب لیجئے۔ عنوان
بیچنے کی آخری تاریخ 10 اکتوبر 2014ء ہے۔

بلا عنوان



ستمبر 2014ء کے ”بلا عنوان کارٹون“ کے لیے جو عنوانات موصول ہوئے، ان میں سے مجلس
ادارت کو جو عنوانات پسند آئے، ان عنوانات میں سے یہ ساتھی بہ ذریعہ قرعہ اندازی 500 روپے
کی انعامی کتب کے حق دار قرار پائے۔

(حافظ محمد ابراہیم ظلیل، ذریہ اسماعیل خان)

▶ نجم خانہ حیات کی تصویر بے بسی

▶ قدرت کا ہے یہ نظام

(معیر اعتراف، اٹک)

▶ ابا جی! آپ کا نہیں یہ کام

(علیہ احمد، راول پنڈی)

▶ یہ کیا ہوا کب ہوا کیسے ہوا، یہ نہ پوچھو

(محسن علی، حسن ابدال)

▶ دھونی کا کتنا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا

(احمد یار، لاہور)

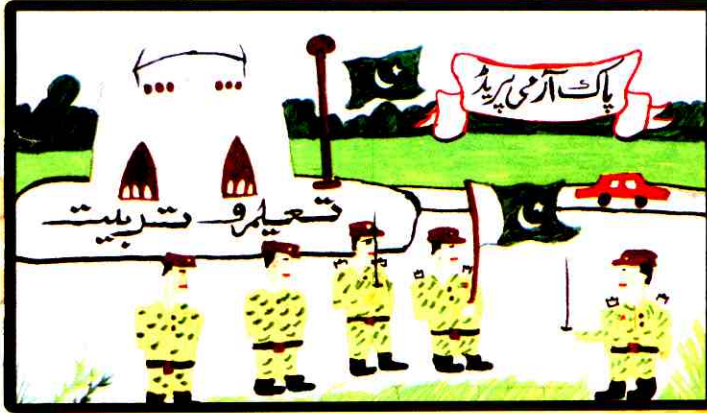
▶ اسے کہتے ہیں ملٹی ٹاسک مین



تصاویر صرف افقی رخ میں ہی بنائیں۔

فوجی پریڈ

ماہوار نمبر



سید زین العابدین شاہ، رحیم یار خان (پہلا انعام: 195 روپے کی کتب)



سمیعہ توقیر، کراچی (تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب)



عظیم ڈوگر، ملتان (دوسرا انعام: 175 روپے کی کتب)



شہر بانو نسیم، کوئٹہ (پانچواں انعام: 95 روپے کی کتب)



عائشہ وحید، بہاول پور (چوتھا انعام: 115 روپے کی کتب)

کچھ اچھے مصوروں کے نام یہ ذریعہ قراء اندازی: سلمان یوسف، علی پور۔ ملک محمد سلمان، واہ کینٹ، راول پنڈی۔ محمد عبداللہ، راول پنڈی۔ شاہ نور سیال کٹہ۔ عیسا نور سیال کٹہ۔ علیہ مریم، میان والی۔ محمد حمزہ مقصود، لاہور۔ ماہ رخ ارشد، لاہور۔ عزیز اشرف اعوان، لاہور۔ نور فاطمہ، فیصل آباد۔ محمد شاہ زیب مسرت، بہاول پور۔ محمد حنیف، پشاور۔ گل رباب، واہ کینٹ۔ جمشید عالم، راول پنڈی۔ سارہ رفیق، خانیوال۔ ندیم احسن، بورے والا۔ طیبہ رحیل، ملتان۔ حفصہ رحیل، ملتان۔ سرگودھا۔ علیہ بشیر، راجن پور۔ عرش ناز، اسلام آباد۔ اویس باہر، سیال کٹہ۔ ثوبیہ سلیم، جہلم۔ ندیم اعوان، سرگودھا۔ اسرار الحق، بہاول پور۔ آزاد گلبرگ، بہاول پور۔

ہدایات: تصویر 6 انچ چوڑی، 9 انچ لمبی اور رنگین ہو۔ تصویر کی پشت پر مصور اپنا نام، عمر، کلاس اور پورا پتا لکھے اور اسکول کے پرنسپل یا ہیڈ ماسٹریں سے تصدیق کروائے کہ تصویر اسی نے بنائی ہے۔

نومبر کا موضوع
علامہ اقبال

اکتوبر کا موضوع
سبزی فرش

آخری تاریخ 8 نومبر

آخری تاریخ 8 اکتوبر

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

طلبہ و طالبات کے لیے فیروز سنز کی معیاری لغات



فیروز سنز - سب لمیٹڈ
لاہور - راولپنڈی - کراچی



ہدایات برائے آرڈرز:

پنجاب: 60- شاہراہ قائد اعظم، لاہور۔ 042-111-626262

سندھ اور بلوچستان: پہلی منزل، مہراں ہائٹس، مین کلفٹن روڈ، کراچی۔ 021-35867239-35830467

خیبر پختونخوا، اسلام آباد، آزاد کشمیر اور قبائلی علاقے: 277- پشاور روڈ، راولپنڈی۔ 051-5124970-5124879